مکمل ناول

سعدیہ عزیز آفریدی

میں ہمک ہمک سوچتی

محبت رائیگاں نہیں

محبت سورج کی

پہلی کرن

مکمل ناول

سعدیہ عزیز آفریدی

میں جھنک دھتورے

رامین سکندر کے چلتے قدم رک گئے کیونکہ اچانک اس کے کانوں میں بہت دکھی دکھی سا جملا گونجا تھا۔

"تم نے بھیا کو بتایا کہ تم صرف چھ ماہ کی زندگی رکھتے ہو۔" دل بے اختیارانہ دھڑکا نہ وہ سوال کرنے والے کو جانتی تھی نہ جواب دینے والے کو مگر وہی ازلی نرم مزاجی، سب کے دکھ میں دکھی ہو جانے والی فطرت کی بدولت اس سے مزید ایک قدم آگے نہ بڑھایا گیا۔

سائیکالوجی ڈیپارٹمنٹ خالی تھا مگر یہ دو آوازیں۔؟ اس نے آہستگی سے دروازہ پر دستک دی اور پھر کلاس میں یوں نظر دوڑائی جیسے کسی چیز کی تلاش ہو۔

"جی مس کچھ تلاش کر رہی ہیں؟" وہی دکھی آواز تھی چونک کر اس نے دیکھا در حقیقت وہ اس وقت اسی شخص کو دیکھنا چاہتی تھی۔ جس کے بارے میں ابھی اس نے سنا تھا لہٰذا خاموش ہی رہی۔

"جی نہیں کچھ نہیں۔" پھر آہستہ سے کہہ کر وہ پروقار طریقہ سے چلتی باہر آئی مگر دل اس اجنبی شخص کے لیے دھڑکنے لگا جو صرف چھ ماہ کا مہمان تھا۔

"ہائے ابھی دنیا میں اس بے چارے نے دیکھا ہی کیا ہے شکل سے تو نہیں لگتا کہ صرف چھ ماہ کی زندگی ہتھیلی کی لکیروں میں چھپائے بیٹھا ہے۔" وہ سوچ سوچ کر ہلکان ہوئی جا رہی تھی بار بار سر جھٹکتی مگر اس کا دلکش سراپا نگاہوں میں پھر جاتا باڈی بلڈرز جیسا بھرا ہوا جسم سرو قد اور سرخ و سفید چہرے پہ بڑی بڑی گلابی آنکھیں اور ایسا حسن جو دکھائی نہیں دیتا مگر پھر بھی اپنی طرف کھینچتا ہے۔

"ہیلو! ہیلو بھئی کہاں گم ہو یار؟۔" اس کی مسلسل ایک ہی نقطہ پر مرکوز آنکھوں کے سامنے اس کی شوخ فاسٹ فرینڈ زین زیاد نے چٹکی بجائی تو وہ چونکی مگر اب لب بے اختیار ہی بڑبڑائے۔

"کون کہہ سکتا ہے وہ صرف چھ ماہ زندہ رہے گا۔"

"ہیں یہ کس کے بارے میں پیشن گوئی ہو رہی ہے مگر یار رامین ہم میڈیکل میں تو ہرگز نہیں ہیں کہ تم رپورٹس پڑھ کر۔" زین بھی سنجیدہ نہیں ہو سکتی تھی سو اس کی ہونق شکل سے حظ اٹھاتی بولے جا رہی تھی۔

جب کہ اس کا خیال تھا کہ یہ بہت سنجیدگی کا مقام تھا بلکہ وہ تو اتنی سی دیر ہی میں بڑے بڑے پلان بنا کے بیٹھ گئی تھی مریض کے لئے چندہ اکٹھا کرنے سے لے کر اسے علاج کے لئے باہر تک بھجوانے کا پروگرام بنا بیٹھی تھی۔ یہاں تک کہ تصور ہی تصور میں اسے صحت مند ہو کر وطن لوٹتا بھی دیکھ چکی تھی۔

"اوئے رامین سکندر خیالوں کی شہزادی کہاں گم ہو؟۔" زین زیاد پھر سے چلائی۔ اور اس کے لب پھر کانپے۔

"صرف چھ ماہ زین صرف چھ ماہ کتنا برا فاول ہے ناں زندگی کا اس کے ساتھ۔"

"کس کے ساتھ کیا رات کوئی جذباتی فلم دیکھ لی تھی یا خواتین کا کوئی رومینٹک افسانہ یا ناول ہضم کر لیا جو بدہضمی کا شکار ہو رامین ذرا نبض دکھانا۔" زین نے اس کا ہاتھ تھاما پھر تشویش سے کہا۔

"یعنی خدشہ درست نکلا تمہیں ٹی ایس پوائزنگ ہو گئی ہے۔"

"ٹی ایس پوائزنگ کیا مطلب؟۔" وہ خوفزدہ ہو گئی۔

"ٹریجڈی اسٹوری پوائزنگ یعنی۔۔۔ ہی ہی ہی۔" وہ اس کے بے ساختہ پڑنے والے ہاتھ سے خود کو بچاتے ہوئے ہنسنے لگی تو وہ روہانسی ہو گئی۔

"یہ ہنسنے کا نہیں سوچنے کا مقام ہے۔"

"بھئی میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھی۔" زین نے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

"مطلب یہ کہ ہمارے ڈیپارٹمنٹ کو مل کر اس کے لیے کچھ کرنا چاہیے۔"

"کس کے لئے اور بھلا کیوں بھئی۔" وہ شرارت سے پوچھنے لگی۔

"اس لیے کہ وہ ہمت ہار چکا ہے اور صرف چھ مہینے عمر کی نقدی کے طور پر رکھتا ہے۔"

"عمر کی نقدی ارے ہاں اس پر انشاء جی نے کیا خوب کہا ہے۔"

اب عمر کی نقدی ختم ہوئی
اب ہم کو ادھار کی حاجت ہے
"اب ہم کو——" وہ لہکنے کے لیے اشارت لے رہی تھی کہ رامین سکندر نے اس کا منہ بند کر دیا۔

"ہمیں اس کے لئے کچھ کرنا چاہیے زی زی۔"

"ارے آخر کس کے لئے۔" زین نے جھنجلا کر کہا تو وہ یاد کرنے لگی۔

"وہ جو——" اس نے سوچنے کے لئے دماغ لڑایا مگر کچھ بھی نہ سوجھا وہ تو اس شخص کو جانتی تک نہیں تھی اب نام اور حلیہ کیا بتاتی۔

"وہ دراصل——"

"دراصل یہ—— رامین جی کہ اگر تم چھ ماہ کی مہمان ہو تمیں تو بائی گاڈ میں بہت اچھے سے قبرستان میں تمہارے لئے قبر حاصل کرتی اور پھر تاج محل کی طرح کا مقبرہ بنوا کر ہر جمعرات کو قوالی کروائی سکھ و ندتی—— ہاہاہا——" وہ ہنستے ہوئے پھر سے شرارت پر اتر آئی مگر رامین اس کی بجائے سامنے دیکھے جا رہی تھی کہ وہ نوجوان کینٹین میں اپنے اسی دوست کے ساتھ داخل ہو رہا تھا۔

"وہ رہا زی زی وہ بلیو شرٹ اور وائٹ پینٹ والا۔" بدحواسی میں انگلی سے اشارہ بھی کر دیا تو وہ خود اس کی میز تک چلا آیا۔

"آپ نے مجھے یاد کیا اور میں حاضر——!!"

"یقیناً" شیطان ہی اپنی آمد میں اتنے انفی شہنٹ ہوتے ہیں۔"

"زی زی یوں تو نہ کہو دل ٹوٹ جاتا ہے۔" وہ اس کے برخلاف ڈھٹائی سے کہہ کر ہنسنے لگا تو زین زیاد نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ ہے وہ شخص رامین جس کے لئے تم نے اچھا خاصا موڈ آف کر رکھا ہے بلکہ کتنی دیر سے میرا بھیجا بھی چاٹ رہی ہو۔"

"کیوں محترمہ رامین گھر میں فاقہ تھا جو آپ نے اس کوڑھ مغز کا بھیجا چاٹ ڈالا۔"

"لینگویج پلیز ایمل ضیا خاکوانی میرا آپ کا مذاق نہیں ہے۔"

مذاق بنانے میں دیر کتنی لگتی ہے
راستہ بدلنے میں دیر کتنی لگتی ہے
پہلی آواز کا ساتھ دوسری آواز نے بھی دیا تو زین زیاد رامین کا ہاتھ تھام کر اٹھ گئی۔

"اے لکھے لو دنیا ادھر سے ادھر ہو سکتی ہے مگر ایمل ضیا خاکوانی جیسا شخص اتنی آسانی سے مر نہیں سکتا۔"

"اب یوں کہہ کر شرمندہ تو نہ کیجئے محترمہ زین ورنہ آپ سنجیدگی سے کہہ دیں تو ایک گھنٹہ نوٹس پر بھی مر کر دکھا سکتا ہوں۔"

"فضول لوگوں سے بات کرنے کے لئے فارغ وقت نہیں میرے پاس چلو رامین۔" وہ کھٹ کھٹ کرتی آگے بڑھ گئی مگر رامین کا دل وہیں اٹکا رہا۔

"یار زی زی یہ اس کا اپنے اوپر چڑھایا ہوا خول ہو گا میں نے اکثر فلموں میں دیکھا ہے کہ ایسے مریض ہمیشہ خوش باش نظر آنے کی کوشش کرتے ہیں اور کسی دن چپکے سے مر جاتے ہیں۔"

"ایک عدد غمگین غزل گاتے ہوئے نا۔" زین زیاد مذاق اڑانے لگی تو رامین کی جان جل گئی۔

"زی زی یار اس کے لئے ہمیں کچھ کرنا چاہئے۔"

"تم بیمار ہو جاؤ میں جان کی بازی لگا دوں گی مگر اس شخص کے لیے کچھ کرنے کے موڈ میں نہیں اول درجے کا فلرٹی 'شرارتی ضدی ہٹ دھرم بندہ ہے مرنا ہے تو مرے بلکہ کل کا مرتا آج مر جائے۔"

"نہیں! نہیں زی زی کسی کے لئے ایسی بد دعا نہیں کرتے۔"

"بد دعا! ایسے ہٹ دھرم لوگوں پر بد دعا بھی اثر نہیں کرتی کیوں کہ مرنے کے لئے بندے کا حساس ہونا اور چٹکی بھر شرم رکھنا بہت ضروری ہے اور یہ دونوں چیزیں ہی اس بندے میں مفقود ہیں رہا اس کے لئے مالی مدد کے لئے چندہ اکٹھا کرنا تو بزنس ٹائیکون شرجیل ضیا خاکوانی کا لاڈلا بھائی ہے اور اتنی دولت رکھتا ہے کہ کینسر کا شکار ایک مریض کا علاج تو کیا پورا کینسر ہاسپٹل افورڈ کر سکتا ہے مگر——"

"مگر یہ کہ تم کے لئے اتنی ہی برائیاں کافی زی زی۔"

"تم!——" اس نے پلٹ کر گھورا اور وہ ازلی مسکراہٹ سجائے کار اکڑائے مسکرائے گیا۔

"اتنی اچھی لڑکی کو میری طرف سے بدگمان کرتے جنہیں کچھ سوچنا چاہیے زی زی۔"

"سوچنا! تمہارے لیے میں صرف قتل کا منصوبہ سوچ سکتی ہوں اور بس۔"

"اور بس زی زی۔" اس کا شوخ چہرہ یکلخت الجھ سا گیا زین نے دیکھا لمحہ بھر کو دل کو کچھ ہوا مگر چہرہ سر جھٹکتی سوائے جملہ دل ہی دل میں دہراتی کھڑی ہو گئی

"چلتی ہو رامین یا مزید بکواس سننے کا موڈ ہے۔" زین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھور کر دیکھا تو رامین سکندر سہم کر اٹھ گئی۔

"چلتی ہوں اوکے ایمل صاحب۔"

"مجھے نعمان راؤ کہتے ہیں کارڈ چھپنے دیئے ہیں ورنہ میں بھی وزیٹنگ کارڈ ضرور بانٹتا۔" ایمل ضیا کو وزیٹنگ کارڈ دیتے دیکھ کر اس کے ساتھ کھڑے نعمان نے بے نیازی سے اس سے کہا تو زین زیاد نے رامین کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے ہی وہ کارڈ اچک لیا۔

"جو راہ تمہاری طرف جاتی ہو رامین اس راہ ہرگز نہ چلے گی۔" اس نے کارڈ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کی طرف اچھال دیا پھر بڑے تنفر سے شہدی کٹ بالوں کو جھلاتی رامین کو لیے آگے بڑھ گئی۔

اور پھر جب یونیورسٹی سے واپس جاتے ہوئے اس کے بھائی پر نظر پڑی تو نہ جانے کیوں بے سبب رامین کا ہاتھ تھامے اس کی کار کی طرف بڑھتی چلی گئی لیکن ابھی کافی فاصلہ تھا کہ کار سے ٹیک لگائے کھڑے رمیز ضیا خاکوانی نے "ہیلو مس زین" کہہ کر ہاتھ ہلا کر پکارا تو اس کی تو جان ہی جل گئی۔

"تو کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"کیا مطلب——؟" رامین سکندر پسینہ پسینہ ہونے لگی۔

"دیکھ نہیں رہیں اتنے فاصلے سے بھی تمہیں کیسے دیدے پھاڑے گھور رہا ہے آخر اتنا بن ٹھن کے آتی ہی کیوں ہوں یونیورسٹی کہ ہر کوئی تمہیں ہی دیکھے جاتا ہے جانتی ہو انکل کس قدر سخت ہیں اگر انہیں پتا چل گیا ناں تو سوچو کیا ہو گا تمہیں صرف میری ضد پہ دلایا ہے داخلہ سمجھیں۔"

"جانتی ہوں مگر زی زی میں کچھ بھی تو بناؤ سنگھار نہیں کرتی ہمیشہ ہی تو۔" وہ کہتے کہتے ہونٹ چبانے لگی تو زین زیاد نے غور سے دیکھا۔

معصوم خدوخال نازک سی لمبی چھیا کاٹن کا سادہ سوٹ عام سے کینوس شوز اور دائیں کاندھے پر بیگ واقعی مصنوعی پن سے تو بالکل ہی نہیں سنوارتی تھی وہ خود کو لیکن شاید اب سب کی پرابلم یہی تھی کہ اتنے مصنوعی چہروں میں جب سادہ بارش کے پہلے قطرے کی طرح دھلا پاکیزہ چہرہ دکھائی دیتا ہے تو سب ہی دیوانہ وار اسے پلکیں جھپکائے بغیر دیکھے جاتے ہیں۔

وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے وہیں تھم گئی تو رامین بڑبڑائی "وہ اوہ دیکھو وہ تو یہیں چلا آ رہا ہے۔"

"آنے دو لیکن دیکھو زیادہ بات مت کرنا ان کا پورا خاندان ہی فلرٹی ہے۔"

"کیا باپ بھی——؟" اس نے "خاندان" کی وضاحت چاہی۔

"ہاں ان کے ابا سمیت" اس نے تندی سے کہہ کر اسے دیکھا پھر بولی "باپ بیٹے سب ایک جیسے ہیں مگر چھوڑو جانے والوں کو کیا گھسیٹنا اپنی باتوں میں۔"

"یعنی ان کے ابو وفات پا گئے۔"

"یعنی نہیں یقیناً" وفات پا گئے ورنہ جانے کتنی زندگیاں اور برباد کرتے۔"

"کیا بک رہی ہو۔" رامین سکندر نے تحیر سے کہا مگر وہ جواب دیئے بغیر سامنے آنے والے رمیز ضیا کو دیکھنے لگی۔

"کیسی ہو زی زی۔" رمیز ضیا بے تکلفی سے مخاطب ہوئے۔

"جیسی دکھائی دیتی ہوں لیکن اپنے لاڈلے کی فکر کرو۔"

"یعنی پھر جھگڑا کر لیا تم دونوں نے۔"

"فضول بات مت کریں مجھے بھلا جھگڑنے کی کیا ضرورت ہے میں تو خود اسے منہ نہیں لگاتی۔"

"پھر کیا کہنا چاہتی ہو؟" بھائی کے متعلق ریمارکس پر ان کا موڈ بگڑنے لگا صرف ان ہی پر کیا منحصر اہمل ضیا کے متعلق تو وہ سب بہت حساس تھے اتنے کہ ہتھیلی کے چھالے کی طرح سے رکھتے تھے ایسے اور یہ زین زیاد اس کی "شان" میں گستاخی کر رہی تھی یعنی بالکل ہی لاحول ولا قوۃ۔

"تم نے بتایا نہیں اہمل سے کیا شکایت ہے تمہیں۔"

"اف یعنی آپ سمجھتے ہیں میں کوئی دیو لڑکی ہوں جو اس کی شکایت لیے آپ تک پہنچوں گی نہیں مسٹر رمیز میں ایک پڑھی لکھی لڑکی ہوں اس لیے میں ہر معاملے سے خود بہتر طور پر نمٹ سکتی ہوں۔"

"جانتا ہوں مارشل آرٹ میں طاق ہو لیکن وہ بھی کچھ کم نہیں۔"

"ہوں کبھی ہو جائے پھر مقابلہ منہ کی نہ کھانی پڑے تو دیکھنا۔"

"ٹھیک ہے پھر ہو جائے کسی دن۔" رمیز نے بھی غصے سے ہاتھ لہرایا تو رامین کی جان پر بن آئی اور زین زیاد نے دعوی کرتے رمیز کی طرف دیکھا اور طنزیہ بولی۔

"مقابلے سے پہلے مسٹر ضیا خاکوانی ایک بار اس کا چیک اپ ضرور کروا لیجئے گا کیونکہ آپ سب کا لاڈلا بھائی صرف چھ ماہ کی زندگی رکھتا ہے۔"

"شٹ اپ بکواس مت کرو ذی ذی۔" وہ غصے سے چلائے تو رامین نے بھی زین کا ہاتھ چھوڑ دیا اور دل میں سوچا واقعی ذی ذی کو اس کی بیماری کا اس طرح ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا اتنی سفاک تو وہ کبھی نہیں رہی تھی کہ کسی کے زخم کو کرید کرید کر خون رسنے کا تماشا دیکھتی وہ تو ہر اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے خبریں بن کر اخبار میں لگ جانے والے مظلوم کے لئے بے چین ہو جایا کرتی تھی لیکن یہاں پر وہ ایسا کیوں کر رہی تھی؟ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"ذی ذی چلو گھر چلو تم اس وقت ہوش میں نہیں ہو۔"

"واقعی آپ کی یہ دوست اس وقت ہوش میں نہیں ہیں انہیں کسی معالج کو دکھایئے۔"

"معالج کو تو اہمل کو دکھایئے میں ایکدم فرسٹ کلاس ہوں۔" اس نے رمیز ضیا سے بھی زیادہ تنفر سے کہا اور مزید اس سے پہلے کہ ان میں لمبی ہی تو تو میں میں ہو جاتی اہمل ضیا اپنے دوست سمیت ان کے قریب چلا آیا۔

"ہونہہ جھگڑا کیا پھر ذی ذی نے۔"

"نہیں تو اہمل صاحب ہم تو یونہی باتیں کر۔۔۔"

رامین جملہ بھی پورا نہ کر پائی تھی کہ ذی ذی نے اس کی بات کاٹی۔

"ایکدم اسٹوپڈ ہو گھبرانے کی کیا ضرورت ہے ہاں مسٹر اہمل جھگڑا کیا ہے کر دو الرٹ اپنے ان نام نہاد باڈی گارڈز کو جنہیں انسانیت کے ہجے بھی نہیں معلوم۔"

"دراصل ذی ذی انہوں نے کبھی تمہاری جیسی لڑکی سے تعلیم ہی حاصل نہیں کی ورنہ انسانیت کی ہجے تو کیا انسانیت کا بائیو ڈیٹا تک انہیں حفظ ہوتا ویسے تم ہمارے باڈی گارڈ سے اتنا جلتی کیوں ہو کہو تو دس پانچ تمہارے گھر بھجوا دیں حفاظت کو۔"

"شٹ اپ اپنے گھر کی حفاظت میں خود بہتر کر سکتی ہوں وہ دور گئے جب لوگ نیچی دیوار دیکھ کر نقب لگایا کرتے تھے۔"

"لوگ نقب تو اب بھی لگا سکتے ہیں مگر تمہاری معصوم صورت پر رحم آ جاتا ہے۔" یکدم رمیز بھیا پھر چڑا بڑے تو اہمل ضیا ہنسنے لگا۔

"یعنی آگ دونوں طرف سے برابر لگی ہوئی ہے مس رامین آپ اپنی شستہ بیانی، نرم خوئی سے اس آگ کو بجھا نہیں سکتی تھیں دیکھئے تو دونوں کے چہرے کیسے بگڑ رہے ہیں اگر لوگ غصے میں اپنا چہرہ آئینے میں دیکھ لیں تو آئی سوئیر وہ کبھی ناک بھنویں نہ چڑھائیں۔"

"ہونہہ بکواس محض لفاظی۔"

"شکر ہے ہماری باتوں کو کسی قابل تو سمجھا گیا۔"

"خوش فہمی ہے تمہاری ورنہ میں تمہیں کبھی کسی قابل نہیں سمجھتی۔"

"اچھا۔" اہمل ضیا نے شرارت سے دیکھا۔

"جی ہاں تمہارا خاندان صرف فلرٹ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتا۔"

"اچھا۔" اہمل بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔ اور رمیز بھائی نے بور ہو کر کہا۔

"اہمل بند کرو یہ سب چلو گھر یہ لڑکی تو ہمیشہ ہی جانے کیوں ہانگارے چبائی رہتی ہے۔"

"یعنی آپ مجھے پاگل کہنا چاہتے ہیں۔" ذی ذی پوری قوت سے چلائی اہمل ضیا سنبھالنے کو آگے بڑھا تو اس نے پشت موڑ لی اہمل نے قدم موڑ لیے رمیز نعمان اور وہ کار میں بیٹھ کر ہوا ہو گئے مگر ذی ذی وہیں کھڑی سسکتی رہی۔

"ذی ذی۔۔۔" رامین نے اسے بروقت اس کی تمام تر مزاحمت کے باوجود کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میں چیخنے چلانے غصہ کرنے والی لڑکی نہیں ہوں مگر رامین ضیا فیملی کو جب بھی دیکھتی ہوں مجھ پر جیسے دورہ سا پڑ جاتا ہے میرا دل چاہتا ہے میں خوب چیخوں جو دل میں ہو بولے جاؤں نان اسٹاپ۔ تم مجھے سیل فش دل مت سمجھنا رامین وگرنہ۔۔۔"

بات بات پر قہقہہ لگانے والی لڑکی ذرا سی دیر میں آنسوؤں میں ڈوب گئی تو رامین نے ساری توجہ اس کی طرف کر لی سو ذی ذی نے اس کی ان کہی باتوں اور توجہ سے خود کو بمشکل پھر سے جوڑا اور پھر جب وہ یونیورسٹی کے واش بیسن سے دوبارہ منہ دھو کر پلٹی تو رامین نے رومال سے اس کا منہ صاف کیا۔

"اب بالکل بچی بنا دو گی کیا۔۔۔؟"

"روتے ہوئے بالکل بچی ہی تو لگ رہی تھیں یہ آج اچانک کیا ہو گیا تھا تمہیں؟"

"بس ویسے ہی کبھی کبھی دورہ پڑ ہی جاتا ہے۔"

"دورہ تو نہیں یہ تو لگتا تھا جیسے بہت نفرت رکھتی ہو ضیا فیملی سے۔"

"نفرت! ضیا فیملی کے لئے نفرت بہت کم اور چھوٹا لفظ ہے رامین اگر میں قانون شکن ہوتی ناں تو ایک ایک کو گولی سے اڑا دیتی اور۔۔۔"

"اور بہت آرام سے پھانسی چڑھ جاتی اور رامین سکندر فلم کے اس اینڈ پر بے تحاشا تالیاں پیٹتی اور دیکھنے والے فلم کے رائٹرز اور ڈائریکٹر کا پتا معلوم کرکے اسے اتنی بہترین فلم بنانے پر پوری چھ گولیوں کی سلامی دیتے مگر ریوالور کا رخ فضا کی طرف نہیں بلکہ۔۔۔"

"بکو مت۔۔۔" اس نے شرارت سے کہتی رامین کے کاندھے پر مکے مارنے شروع کر دیئے تو وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی جواباً اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی۔ اور رامین سکندر نے فضا خوشگوار دیکھی تو بولی۔

"تھینک گاڈ کچھ روشنی کچھ چمک تو آئی آپ کے چہرے پر چلیے گھر میں انکل انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"ہاں چلو۔" وہ دونوں آگے بڑھ گئیں۔

*_*_*

رمیز بھائی نے پہلے تو نعمان کو اس کے گھر ڈراپ کیا اور پھر کار کا رخ یونہی ایک آئسکریم پارلر کی طرف کر دیا تو پچھلی سیٹ پر بیٹھا اہمل ضیا جلدی سے اگلی سیٹ پر چلا آیا۔

"ارے آج یہ خیریت تو ہے بھائی۔"

"بس یونہی سوچا تم سے دو باتیں کر لوں۔"

"صرف دو باتیں آپ دو ہزار باتیں کیجئے سر آج میں فارغ ہوں۔" اس نے غیر سنجیدگی سے کہا مگر رمیز بھائی کے چہرے پر وہی سکوت دیکھا تو آہستگی سے ان کے کاندھے کو چھوا۔

"یو آل رائٹ بھیا۔"

"ہوں۔۔۔" انہوں نے لمبی ہوں کرکے گاڑی پارک کی اور پھر آئسکریم کا آرڈر دے چکے تو یونہی سرسری سا بولے۔

"تم! تمہیں آخر ہوا کیا ہے اہمل۔"

"عشق۔۔۔ لیکن یہ تو موسمی بخار ہے آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں باقی گاڈ خود بخود اتر جاتا ہے یہ سر سام۔"

"ہاں مگر وہ ذی ذی کہہ رہی تھی کہ۔۔۔"

"ذی ذی! کیا کہہ دیا پھر سے اس نے ایک تو میں

اس آفت کی پر کالہ خالہ سے تنگ ہوں جب دیکھو ریپوٹیشن خراب کرنے کو کچھ نہ کچھ بیان دیتی ہی رہتی ہے اگر سیاست دان ہوتا نا تو لمحہ بھر میں بینڈ کروا چکا ہوتا۔"

"اہمل تمہیں کیا بیماری ہے یار؟۔"

"ہیں ۔۔۔ بیماری ۔۔۔؟" اس کا دماغ چکرایا اور ذی ذی اور رامین سکندر کی ملاقات یاد آئی اور نعمان راؤ کی کاوش دل نے دہرائی تو وہ جھوٹ یاد آیا جو رامین کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اس نے باقاعدہ رامین کی لمحہ لمحہ کی رپورٹ رکھ کر اس وقت وہ ڈائیلاگ بولا تھا اور جس کا خاطر خواہ اثر بھی ہو گیا تھا مگر یہ رمیز بھیا۔

اس نے غور سے پھر سے رمیز بھیا کے ستے چہرے کو دیکھا دل میں آیا انہیں مطمئن کر دے مگر وہی ازلی رگ شرارت پھڑکی اور منٹوں میں اس نے آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب بھی دے لیا اپنے لہجے کو جوگیوں روگیوں والا کر کے بڑی تڑپ سے بھائی کو دیکھا۔

"اہمل کیا ہوا ہے تمہیں؟۔" رمیز بھیا جیسے بری خبر سننے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے بے اختیار کہہ اٹھے تو اس نے ان کا ہاتھ تھام لیا پھر ان کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

"کینسر ان بون میرو۔" رمیز بھیا نے سنا تو بے ساختہ آنکھیں میچ لیں۔

"نہیں ۔۔۔" کا لفظ ان کے ہونٹوں پر ہی تمام ہو گیا چھوڑو رو ہونے لگا تو اس کے چھکے چھوٹ گئے۔

"بھائی گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے آج کل سائنس نے بہت ترقی کر لی ہے اور پھر کینسر اب مرض ہے بھی کہاں؟۔"

"مگر ذی ذی تو کہہ رہی تھی کہ تمہارے پاس صرف چھ ماہ ہیں۔"

"وہ تو پگلی ہے اور پھر آپ ہی سوچیے آپ سب کی محبتیں بھلا اتنی جلدی مرنے دیں گی مجھے آپ کی محبتیں اور سائنس دیکھیے گا کیا کرشمہ دکھاتی ہے۔" اس نے انہیں حوصلہ دینے کی کوشش کی رمیز بھیا نے آس نراش میں ڈوبے ہوئے اسے پھر سے دیکھا۔

"آپ یقین کریں مجھے کچھ نہیں ہو گا بھائی۔"

"تمہیں واقعی کچھ نہیں ہو گا اہمل۔" بھیا نے ایسے لہجے میں کہا کہ اس کا دل پسیجنے لگا اس مذاق کو ختم کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ رمیز بھیا کے مزاج کا خیال آگیا جو ہر معاملے میں شدت پسند تھے کبھی خفا نہیں ہوتے' اور اگر کوئی بات دل کو لگا ہی لیتے تو دنیا کی کوئی طاقت ان کے خیالات نہیں بدل سکتی۔

اور اس وقت بہرحال وہ رمیز بھیا کی ناراضگی افورڈ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا کہ سب بھائیوں میں رمیز بھائی ہی میں تو اس کی جان تھی۔

لیکن ان نادر خیالات کے ساتھ ساتھ اس وقت اس کی پریشانی حال جان بھی تو سلگ رہی تھی دوبارہ کر اسے زین زیاد کی شکل یاد آ رہی تھی اور وہ غصے میں منھیاں بھینچے سوچ رہا تھا کہ یہ چھوٹی سی لڑکی واقعی کسی دن کوئی بڑا حادثہ کروا کر ہی دم لے گی۔

"خیر نمٹ لیا جائے گا ہر قسم کی سچویشن سے۔" دماغ کو پھر سے چارج کر کے وہ اس صورت حال کو ہینڈل کرنے کے بارے میں آئندہ کا لائحہ عمل طے کرنے لگا مگر جواب صفر کے علاوہ کچھ نہیں نکل رہا تھا سو اس نے رمیز بھائی کی طرف پھر سے توجہ کی اور انہوں نے دلداری سے پوچھا۔

"کیا سوچ رہے تھے جان؟۔"

وہ چونکا "کچھ نہیں بس ویسے ہی ذی ذی کے متعلق فکر میں تھا۔"

"ذی ذی! آئی ہیٹ ہر میرا بس چلے تو میں اسے شوٹ کر دوں۔"

"لیکن آج کل گولیاں بہت مہنگی ہو گئی ہیں میرا مطلب ہے آپ کارتوس ضائع کرنے کی بجائے ایک بار اسے غصے میں پکار ہی لیجیے کھٹاک سے وہیں دل بند ہو جائے گا بڑی ڈرپوک قسم کی لڑکی ہے نا۔"

"بکو مت! اس لڑکی کی حمایت میں کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا جانے اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہے کس بات کا زعم ہے اسے۔"

"زعم! کسی بات کا زعم نہیں ہے اسے بس بعض

لڑکیوں کو اسنک رہنے کی عادت ہوتی ہے اور پھر زیاد انکل کی معذوری اور طویل علالت نے اگر اسے کچھ کمزور اور مزاج کا سخت کر دیا ہے تو یہ اس کی مجبوری ہے ویسے بھی اس معاشرے میں جب تک لڑکی ریزرو اور سخت مزاج نہ رہے تو ہر کوئی آئسکریم سمجھ کر اسے ختم کرنے پر تلا ہوتا ہے گھر کی ہر ذمہ داری سنبھالنے میں اگر وہ کچھ ان منفرد بھی ہو گئی ہے تو آپ کو اس کی غلطی درگزر کر دینی چاہیے جیسے میں اس کے ہر شعلہ بیاں جملے کو سن کر مکرر مکرر ارشاد ارشاد کر کے برابر کر دیتا ہوں۔"

"تم کر سکتے ہو اس کا رویہ اگنور مجھ سے نہیں ہوتا یہ سب۔"

"ٹھنڈے دماغ سے سوچنے تو ہر شخص تحمل سے کام لے کر بہت ہی غصیلے شخص کو بھی رام کر سکتا ہے بس ایک کان سے ایک کو نکالنا پڑتا ہے۔"

"ہونہہ۔" رمیز بھیا نے بے زاری دکھائی تو اس نے ویٹر کو اشارے سے بلایا رمیز بھیا نے بل دے دیا اور گھر پہنچے تو عامر بھیا کو صوفے پر بیٹھے ٹیبل پر ٹانگیں دھرے فون پر مصروف پایا۔

"ہیلو عامر بھائی۔" وہ صوفے کی پشت پر ہاتھ دھر کر چھلانگ مارتا ان کے برابر صوفے پر آ بیٹھا بلکہ ان کے زانو پر سر رکھ کر لیٹ گیا۔

"آج دفتر نہیں گئے؟۔"

"نہیں ایک کیس کی تیاری کرنی تھی۔" انہوں نے ریسیور پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا پھر فون پر کہا۔

"او کے اجمل پھر تم وہ ایف آئی آر حاصل کر لو میں شام کو آتا ہوں تمہاری طرف ۔۔۔ "خدا حافظ" کہہ کر فون رکھا پھر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس کی ناک دبائی اور نگاہوں نگاہوں میں رمیز بھیا کے موڈ آف ہونے کی وجہ پوچھی اہمل شرارت سے ہنسنے لگا۔

"بس ایسے ہی شمیلہ بھابھی یاد آ رہی ہوں گی ویسے کتنا ظلم ہے نا کہ بندے کی زندگی کو ہجر کا مکمل پیریڈ ہی بنا کر رکھ دیا جائے۔"

"پٹ جائے گا بھائی سے۔" وہ کان میں بولے تو اس نے فخر سے کالر اکڑایا۔

"رمیز بھیا مجھے کبھی ڈانٹ ہی نہیں سکتے مارنا تو دور کی بات ہے۔"

"بڑا زعم ہے خود پر۔"

"ہوں بہت۔" اس نے فخر سے کہا پھر ہنس کر انہیں دیکھا۔

"ہیر شرو اخان کیسی ہیں؟۔"

"ایکدم فرسٹ کلاس تمہیں بڑا پوچھتی ہے۔"

"ظاہر ہے اکلوتا چھوٹا دیور جو ہوں ویسے بھائی یہ آپ تینوں کو صرف نکاح کا دورہ کیوں پڑا تھا ایک آدھ رخصتی بھی کروا لیتا تو گھر میں کچھ رونق تو ہوتی۔"

"ہے تو رونق' تمہاری آواز ہمارے گھر کی سب سے خوش کن چہکار ہے بندہ جینے کی تمنا کرتا ہے۔"

"اچھا اتنا اہم ہوں۔" اس کی آنکھ اور لہجے سے خوشی پھوٹنے لگی تو عامر بھائی اس پر جھک گئے پھر پیشانی پر بوسہ لیا اور بولے۔

"تم ہمارے اول اور تم ہمارے آخر ہو اہمل ہم تم سے پیار کرتے ہیں تو صرف اس لئے تم اس قابل ہو بائی گاڈ جس زندگی میں جس لمحے میں تم نہیں وہ لمحہ میں جینا ہی نہیں چاہتا۔"

"چھن چھناک ۔۔۔" گلاس ٹوٹنے پر دونوں نے چونک کر دیکھا رمیز بھیا نیچے جھکے ہوئے تھے۔

"خیریت بھائی۔" وہ تیزی سے اٹھا عامر بھائی بھی متوجہ ہوئے۔

"آئی ایم آل رائٹ گائز۔" انہوں نے ملازم کو آواز دی گلاس کے ٹکڑے اٹھانے کے لئے تو اہمل ضیا نے اپنا سر سہلایا۔

"پھر کوئی تازہ شرارت ۔۔۔" رمیز بھیا کی پشت کو دیکھ کر عامر بھائی نے وکالت کے جوہر دکھائے تو وہ شرمندگی سے ہنسنے لگا۔

"یعنی واقعی تم نے کوئی گڑبڑ کی ہے اسٹوپڈ ۔۔۔" انہوں نے اس کا کان مروڑا تو اس نے الف سے لے کر یے تک سب بتا دیا۔

"ویری بیڈ تم! اہمل کسی دن تم واقعی پٹ جاؤ گے اس قدر خطرناک مذاق کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر جو رمیز بھیا اس اطلاع کو بہت سیریس لے لیتے" ہمیں

کچھ ہو جاتا تو۔۔۔ جانتے نہیں ہو وہ تم سے کس قدر قریب ہیں تمہیں کتنا عزیز رکھتے ہیں۔"

"بس اب ہو گئی غلطی پلیز کچھ کیجئے نا۔"

"تم ہی بتاؤ کیا کیا جائے؟۔"

"مجھے چھوڑیے آپ بتایئے آپ کے خیال میں مجھے اس پچویشن میں کیا کرنا چاہیے؟۔"

"سنجیدگی سے پوچھتے ہو تو میرا مشورہ ہے اعتراف کرلو۔"

"اعتراف۔۔۔ نو۔۔۔ یعنی آپ چھ ماہ کی مدت سے پہلے ہی میرا چالیسواں۔۔۔"

"ایمل سوچ سمجھ کر بولا کرو جانتے ہو تمہاری اس معمولی سی بات سے جان نکل جاتی ہے ہماری۔"

"اوکے اوکے یہ اعتراف کا معرکہ آپ ہی سر کیجئے میں رومابھابھی کے پاس جا رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" عامر بھائی نے سر ہلا کر اجازت دی اور شام کی چائے پر جب عامر بھائی نے اپنا شام کا پروگرام کینسل کرکے اپنے نیوز پیپر کے لئے آرٹیکل لکھتے رمیز بھائی کو ایمل ضیا کی شرارت سے آگاہ کیا تو ان کا غصہ قابل دید تھا۔

"شوٹ کردوں گا ایمل کو میں۔" وہ دانت پیستے ہوئے بڑبڑائے تو عامر بھائی نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔

"بی ایزی بھائی دراصل وہ انجوائنمنٹ میں یہ حرکت کر بیٹھا ورنہ۔۔۔"

"ورنہ! عامر ہم کوئی سنکی سمجھتے ہیں کہ وہ ہم سے اس قسم کی حرکتیں کرے اور تم کہو یہ محض انجوائنمنٹ تھا محبت سے اس قدر گرا مذاق قسم سے آج تک کی ساری محبت مجھے حماقت لگتی ہے۔"

"وہ اس لئے ہی خوفزدہ تھا بتانے سے اب اگر آپ سکی بی ہیو کریں گے تو بچہ ہے ناں بھائی۔"

"بچہ! فائنل ایئر میں ہے اور تم اسے بچہ کہہ رہے ہو آنے دو شرجیل بھیا کو نہ اچھی طرح کوشمالی کروائی تو کہنا۔"

"اس وقت بالکل بچگانہ گفتگو کرنے لگے ہیں آپ۔" عامر بھائی نے برا سا منہ بنا کر کہا رمیز بھائی نے تیز نظروں سے انہیں گھورا اور میگزین لے کر صوفے پر بیٹھ گئے۔

عامر بھائی ان کے چہرے سے فیصلہ جاننے کی تگ ودو میں تھے کہا ہر قانون داں ہو کر اس وقت وہ خود کو طفل مکتب محسوس کر رہے تھے ایک اچھا وکیل تو جج سے لے کر مجرم اور ملزم تک کی باتوں اور بیان سے زیادہ اس کے چہرے کے ایکسپریشن سے اپنے لیے لائحہ عمل اور اپنے فیصلے کے بارے میں حتمی رائے قائم کرتا ہے مگر یہاں تو ٹوٹل بلیک آؤٹ تھا۔

"رمیز بھائی پلیز بھول جایئے ناں یہ مذاق ہے۔"

"عامر ڈونٹ ڈسٹرب می میں دفتر سے صرف اس لئے جلدی آیا تھا کہ میں گھر میں آرام کرنا چاہتا تھا مگر یہ ایمل آئی ہیٹ ہز۔"

"آپ ایمل سے نفرت کریں گے۔" انہوں نے تحیر سے دیکھا۔

"کروں گا کیا مطلب؟۔ کرچکا ہوں! اب میری زندگی میں ایمل نام کا کوئی شخص نہیں ہے یہ بات اسے بھی کلیئر کردیجئے گا۔" میگزین پٹخ کر آرٹیکل کی فائل اٹھائے وہ اوپری زینے چڑھنے لگے تو عامر بھائی نے فوراً "فون کھڑکا دیا۔

"معاملہ سیریس ہو گیا جان عامر۔"

"یعنی۔۔۔!"

"یعنی ہی سیریسلی ہیٹ یو۔"

"بنڈل رمیز بھائی اور مجھ سے۔۔۔"

"یہ آج کا سچ ہے کہ رمیز بھائی اور آپ سے۔۔۔ لہٰذا فوراً" چلے آؤ اس سے پہلے کہ بات بڑی سرکار تک جاپہنچے۔"

"کون شرجیل بھائی جان اوہ مائی گاڈ یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا میں آتا ہوں جب تک آپ بات سنبھالے رکھیے پلیز۔" اس نے عجلت میں فون رکھ دیا تو عامر بھائی رمیز بھائی کے کمرے میں بھی ان کے اردگرد منڈلاتے رہے بات شروع کرنے کے لئے موضوع ڈھونڈتے رہے لیکن جب فون کے دو گھنٹے بعد بھی وہ نہ پہنچا تو عامر بھائی کو تشویش ہونے لگی۔

"رمیز بھائی ایمل نہیں آیا ابھی تک؟۔"

"پھر میں کیا کروں۔" انہوں نے لکھتے ہوئے سر اٹھائے بغیر لاپرواہی سے کہا اس سے پہلے کہ عامر بھائی کچھ کہہ پاتے دو تین ملازم دوڑے ہوئے آئے۔

"غضب ہو گیا سرکار غضب ہو گیا۔"

"کیا ہو گیا۔۔۔؟۔" عامر بھائی نے پریشان ہو کر دیکھا۔

"چھوٹے سرکار بہت زخمی حالت میں۔۔۔"

"کیا ایمل۔۔۔؟۔" عامر بھائی تیزی سے نیچے دوڑے رمیز بھائی پیچھے تھے اور خود ایمل ایک صوفے پر آڑھا ترچھا پڑا تھا پیشانی اور گردن کے قریب سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔

"ڈاکٹر کو بلاؤ۔" رمیز بھائی پوری قوت سے چلائے اور عامر بھائی اس پر جھک گئے۔

"کیا ہوا؟ کیسے ہوا یہ سب ایمل؟۔" مگر ایمل ہوش میں ہوتا تب جواب دیتا۔

"کیا کیا جائے عامر؟۔" رمیز بھائی نے بے قراری سے پوچھا۔ خون روکنے کی وہ خود کوشش کر چکے تھے۔

"اسے یہاں تک کون چھوڑ کے گیا۔"

"پتا نہیں صاحب میں نے تو بس گیٹ بجنے کی آواز پر ہی گیٹ کھولا تو چھوٹے سرکار زمین پر ایسی ہی حالت میں پڑے تھے۔"

"ہوں۔۔۔" رمیز بھائی نے غائب دماغی کی حالت میں تفصیل سی پھر چلا دیئے۔

"یہ ڈاکٹر کیوں نہیں آیا ابھی تک؟۔" عامر بھائی نے بھی بے قراری سے دیکھا تو راہداری سے کسی ملازم کی آواز سنائی دی۔

"آگئے سرکار ڈاکٹر صاحب آگئے۔" اور پھر ڈاکٹر کے کہنے پر رمیز بھائی اسے بانہوں میں بھر کر اس کے بیڈ روم میں لے کر گئے اور ایک گھنٹے کے اندر اندر ڈاکٹر ایمل کی ڈریسنگ سے فارغ ہو چکے تھے لیکن چلنے سے پہلے بولے۔

"ایکسیڈنٹ شدید ضرور تھا لیکن یہ از کل والٹ ہے محض کمزوری اور اچانک جھٹکا لگنے سے بے ہوش ہو گئے ہیں نبض معمول کے مطابق چل رہی ہے۔"

"لیکن خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے۔"

"خون گرچہ بہت بہا ہے لیکن خدانخواستہ اتنا زیادہ نہیں کہ جان پر ہی بن جائے اور ویسے بھی عامر تمہیں اس سے بہت انسیت ہے ناں اس لئے اس کا معمولی سا زخم بھی تمہیں بہت اپ سیٹ کر سکتا ہے چاہے وہ محض خراش ہی کیوں نہ ہو۔"

"کہتے تو آپ ٹھیک ہیں لیکن پھر بھی اگر۔۔۔"

"اگر مگر شک لاتے ہیں ینگ مین جبکہ یہ میرا تجربہ اور یقین ہے کہ اسے دو تین گھنٹے میں ہوش آجائے گا ٹھیک ہے پھر کل ملاقات ہوگی۔" ہاتھ ملاتے ڈاکٹر احسان کمرے سے چلے گئے تو رمیز بھائی وہیں اس کے بیڈ پر قریب ہی بیٹھ گئے۔

"میں چاہوں بھی تو ایمل تم سے قطع تعلق نہیں کر سکتا آئی لو یو لو یو سو مچ یار۔" انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی عامر بھائی نے ان کے کاندھے کو ہولے سے تھپکا اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی حوصلہ افزا جملہ بھی کہہ ڈالتے یکلخت کمرے کا دروازہ کھلا ڈی ایس پی کے فل یونیفارم میں ناصر ضیا خاکوانی اندر آگئے۔

"کیا ہوا ایمل کو۔۔۔؟۔"

"یہ آپ کو کس نے پریشان کر ڈالا۔" عامر بھائی مڑتے ہوئے ملنے سے بولے۔

"تھوڑی دیر پہلے مجھے اطلاع ملی کہ فلاں اسٹریٹ پر ایمل کی کار ملی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے لیکن جائے وقوع پر نہ ٹکرانے والی کار موجود تھی نہ خود ایمل اطلاع ملتے ہی میں نے گھبرا کر گھر فون کیا لیکن ابھی کچھ کہہ بھی نہیں پایا تھا کہ حشمت کہنے لگا کہ ایمل زخمی حالت میں کوٹھی میں موجود ہے فوراً" دوڑا چلا آرہا ہوں کیسا ہے اب یہ ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟۔" انہوں نے اس کی پیشانی پر آجانے والے بال ہٹا کر دونوں سے پوچھا۔

"ڈاکٹر احسان کہہ رہے تھے یہ مکمل طور پر ٹھیک ہے۔" رمیز بھائی نے بتایا اور عامر بھائی کو فکر ہوئی۔

"شرجیل بھیا کو کسی نے فون کیا؟۔"

"کہاں! کسی کو افراتفری میں یاد ہی کہاں رہا تھا۔"

"ٹھیک ہے پھر آپ منہ میں فون کر کے آتا ہوں ناصر بھائی آپ کافی پئیں گے۔" انہوں نے چلتے چلتے پوچھا دونوں نے سر ہلایا اور پھر جب وہ کافی پی چکے تو امل نے کراہ کر آنکھیں کھولیں تینوں بیک وقت اس پر جھک گئے۔

"ایک ایک کر کے آیئے ایک کا بھی چہرہ فوکس نہیں ہو رہا' ویسے ہی ہیڈ لائٹ فیوز ہوتے ہوتے۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑا۔

"ہو گئی بکواس شروع۔" رمیز بھائی نے منہ بنایا تو اس نے دائیں ہاتھ سے کھینچ کر انہیں خود پر اور جھکا لیا پھر جذب سے بولا۔

"ایمان سے کہئے گا آپ بور نہیں ہو رہے تھے ہماری بکواس کے بنا۔"

"کوئی نہیں بڑی خوش فہمی ہے حضرت کو۔" انہوں نے صاف مکرنے کی کوشش کی تو اس نے ان کے ہونٹوں پر انگلی رکھی پھر مسکرایا۔

"آپ جھوٹ نہیں بول سکتے مجھ سے کہ دعائیں آپ کے ہونٹوں پر ابھی تک موجود ہیں۔"

"مگر خوشبو تو کافی کی ہے یار۔" عامر بھیا کھلکھلا کے ہنسے تو وہ زور سے ہنسا پھر برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

"ہنسنے سے بھی سر میں درد ہو رہا ہے عامر بھائی پھر کبھی اس جملے کی داد پھر کبھی۔" اور ناصر بھائی نے اس کا مطمئن چہرہ دیکھا تو فوراً ہی جرح شروع کر دی۔

"کون تھا وہ جس نے تمہیں ٹکر ماری تھی۔"

"کوئی نیک ہی بندہ تھا جو گھر چھوڑ گیا ورنہ ابھی تک کار میں ہی پھنسے ہوتے اور آپ چاروں بیٹھے ہمیں۔"

"بس بس بہتر ہے بکواس کرنے کی بجائے آنکھیں بند کر کے سو جاؤ تم۔" رمیز بھائی نے کان ہلکا سا موڑا اس نے بنا بحث و پیش آنکھیں بند کر لیں اور پھر اسے سوئے کچھ ہی دیر ہوئی ہو گی کہ شرجیل بھیا بدحواس سے چلے آئے۔

"کیسا ہے میرا امل۔۔۔؟"

"ایکدم فرسٹ کلاس سو رہا ہے۔" ناصر بھائی نے تسلی دی شرجیل بھیا نے تینوں کے چہرے باری باری دیکھے تسلی نہ ہوئی تو کمرے میں چلے گئے ہلکی روشنی میں وہ پرسکون لیٹا تھا۔

"کس نے ماری یہ ٹکر؟" شرجیل بھائی نے ناصر بھائی کو دیکھا۔

"فی الحال کچھ کہا نہیں جا سکتا جب تک امل واقعہ تفصیل سے نہ بتائے۔"

"ہوں۔" شرجیل بھیا نے اثبات میں سر ہلا کر ناصر بھائی کی تائید کی۔ اور پھر چاروں نے ساری رات جاگ کر گزار دی وہ سوتے میں کبھی پانی مانگتا تھا کبھی تکلیف سے کراہ رہا تھا لیکن صبح کی کرن پھوٹنے پر جب شرجیل بھیا نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر کر اسے جگایا تو پٹ سے آنکھیں کھولے وہ انہیں دیکھے گیا۔

"آپ کب آئے؟ کیا ٹائم ہو رہا ہے؟" اس نے چونک کر وال کلاک پر نگاہ ڈالی پھر چسلتی نگاہ پورے کمرے میں گھوم گئی تو وہ ہنس دیا ناصر بھائی صوفے پر آڑھے ترچھے پڑے تھے رمیز بھائی ایزی چیئر پر سینے پر کتاب دھرے محو خواب تھے اور عامر بھائی۔

"یہ ناصر بھائی کہاں ہیں۔۔۔؟"

"ناشتہ بنوانے گیا ہے۔"

"گیا تھا لیکن اب آ چکا ہوں چلو فٹافٹ منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ شرفو ناشتے کی ٹرالی لاتے ہی ہو گا۔" ناصر بھائی نے دونوں کو جھنجوڑ کر اٹھایا اور پانچوں نے ایک ہی جگہ بیٹھ کر ناشتہ کیا شرجیل بھیا چائے اور توسٹ اپنے ہاتھ سے امل کے منہ میں بقول خود اس کے ٹھونس رہے تھے ورنہ تو اسے قطعاً بھوک نہیں تھی۔

"بس پلیز بھائی۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا مگر اس کی ایک نہ چلی۔

"کھاؤ ابھی یہ پورا آملیٹ ختم کرنا ہے تم نے۔"

"آملیٹ! بھائی جان سنا ہے کہ چوٹ میں صرف دودھ دلیہ بتایا جاتا ہے نرم نرم سا مگر یہ ڈاکٹر احسان خدا سمجھے ان سے۔" اس نے نوالہ منہ میں رکھا تو ناصر بھیا ہنس پڑے۔

"ڈاکٹر احسان دراصل بندہ کے ڈیفنسز کو پاور فل رکھنے اور مریض کو یہ باور کروانے کے لئے کہ وہ بہ حقیقت ہر بیماری پر قابو پا سکتا ہے یہ طریقہ علاج تجویز کرتے ہیں جو کہ ایک کامیاب طریقہ علاج ہے۔"

"بیماری میں تو چلتا ہے مگر یہاں تو خون بہایا گیا ہے ہمارے بھائی جان ذرا سی دیر اور ہو جاتی تو رمیز بھائی تو انا للہ ہی ہو جاتے۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" رمیز بھائی نے اسے گھورا عامر بھائی نے بھی دیکھا تو وہ تان اسناپ ہنسے گیا سر کا درد پہلے سے بہت بہتر تھا بھی زبان جولانی پر تھی۔

"مطلب یہ کہ جب شرف اور حشمت ہمیں اٹھا رہے تھے اس وقت ہم باہوش تھے کیونکہ آخر کو باڈی بلڈر ہو گا کا ہر جو ٹھہرے ڈیفنسز بڑے مضبوط ہیں ہمارے لیکن جب یہ اٹھا لینے پر ہی کمربستہ تھے تو ہم نے بھی آنکھیں بند کر لیں سچ ایک قدم بھی چلنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔"

"یعنی وہ طویل بے ہوشی سب ڈرامہ تھا چار سو بیس کہیں کے۔" رمیز بھیا نے خفت سے اس کا کان موڑا عامر بھائی ان کی کیفیت دیکھتے ہوئے ہنسے۔

"دراصل ہم میں سے کوئی اس سے مقابلہ ہی نہیں کر سکتا۔"

"ایکسیلنٹ یہی تو میں کہتا ہوں مگر رمیز بھائی خواہ مخواہ انرجی ضائع کرتے ہیں۔" اس نے چائے کا سپ لیا تو شرجیل بھیا نے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"آخر ہوا کیا تھا؟"

"بس کیا بتاؤں بھائی جان میں نے کہیں کہہ دیا کہ میں رمیز بھائی سے زیادہ عامر بھائی کو لائک کرتا ہوں بس اتنی سی بات پر چڑ گئے پتے سے ناراض ہو گئے کہنے لگے اب تم میرے پاس آنا بس اتنی سی بات۔۔۔"

"کیا امل ٹھیک کہہ رہا ہے رمیز؟" شرجیل بھیا نے ان کا جملہ اچک لیا۔ اور رمیز بھائی سے سوال کیا انہوں نے ان کے لہجے میں حیرت تھی جب کہ رمیز سر جھکائے بیٹھے تھے امل کو معمولی سی ڈانٹ کسی سے وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے سو امل اس کا پورا فائدہ اٹھا رہا تھا۔

"میں سمجھتا تھا اب تم بڑے ہو چکے ہو مگر میں دیکھتا ہوں کہ نیوز پیپر کے مالک ہونے کے باوجود تم ابھی صرف بزم اطفال چلانے کے قابل ہوئے ہو ابھی تک بچپن والی الکھلیاں فرما رہے ہو۔"

"بھائی جان اٹکھلیاں کا سلیس ترجمہ کیجئے۔" سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس نے دودھ کا گلاس اٹھایا شرجیل بھائی نے دیکھا تو مسکرایا۔

"دراصل اس وقت ٹھنڈے پانی کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی لیکن ٹرالی میں صرف دودھ کا جگ ہی پایا جاتا ہے اس لئے رمیز بھائی میں آپ کی اتنی ہی مدد کر سکتا ہوں۔" اس نے ادب سے جملہ مکمل کر کے گلاس رمیز بھائی کی طرف بڑھا دیا سو شرجیل بھیا جوابی کے لیے ملازم کو آواز دے چکے تھے پلٹ کر اسے گھور رہے تھے۔

"خدا بچائے تمہاری زبان سے پندرہ منٹ میں کوئی پندرہ ہزار جملے تو بول چکے ہو گے تم!!"

"پندرہ ہزار ایک سو بھیا۔" اس نے تصحیح کرنا ضروری سمجھی پھر ملازم کی شکل دیکھتے کے ساتھ ہی ہاتھ کے اشارے سے ٹرالی لے جانے کا حکم دیا شرجیل بھیا ملازم کو برتن سمیٹتے دیکھ کر اہم میٹنگ کا کہتے ہوئے باہر نکل گئے سو ملازم کے ٹرالی لے جاتے ہی تینوں بھائیوں نے بیک وقت اس ننھی سی جان پر حملہ کر دیا۔

"بھیا کے سامنے کیسی زبان چلتی ہے اگر موصوف کی شرارت بتا دیتا ناں تو پورا ایک مہینہ ناک رگڑنی پڑتی پھر بھی بھیا مانتے نہیں۔" رمیز بھیا نے کشن مارتے ہوئے سرزنش کی تو وہ ہنسنے لگا۔

"میرا کیا جاتا نہیں مانتے تو میں کسی چلتی ٹرین کے سامنے جا لیٹتا لیکن رمیز بھائی اس کام میں ایک پرابلم ہے کہ ٹرین کبھی صحیح ٹائم پر نہیں آتی اس لئے نو بجے کی ٹرین کے لئے بندہ فجر تک انتظار کرتا رہے گیا' اور اگر بھوک لگ گئی تو آپ تو جانتے ہیں میں بھوک کا کتنا کچا ہوں اور۔۔۔"

"بس بس بکواس بند اب کام کی بات کرو

ـــ" ناصر بھیا نے ہاتھ لمبا کر کے فری نوٹ بک نکال لی اور اس سے کار کا ماڈل نمبر اور بندے کا حلیہ پوچھنے لگے۔

"اہعل تم بے ہوش نہیں ہوئے تھے پھر تم نے خون روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی تھی۔" ناصر بھائی کی بات کاٹ کر عامر بھائی نے سوال داغا تو وہ ہنسنے لگا۔

"دراصل وہ شخص ایک تو خود بہت محتاط تھا دوسرے میں نے یہ سوچا گھر میں اتنے لوگ ہیں اگر ایک ایک بندہ بھی مرہم پٹی کرتا تو میری اچھی خاصی ڈریسنگ ہو جاتی اور پھر مجھے ایک پامسٹ نے بتایا تھا میرے ہاتھ میں زندگی کی لکیر کرپشن کی طرح لمبی ہے اور ـــ"

"اور یہ کہ تم بہت بکواس کرتے ہو میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا اہعل۔" ناصر بھائی پھر سے پرانے موضوع پر لوٹ آئے تو اس نے اپنا سر تھام لیا۔

"ایک تو میں اپنی زبان کے پھسلنے سے بہت تنگ ہوں لیکن بھائی ایکسیڈنٹ کے وقت اچانک جھٹکا لگنے سے بقول ڈاکٹر احسان میں بے ہوش ہو چکا تھا پھر بھلا کار کا ماڈل نمبر کیسے دیکھ پاتا ویسے ڈاکٹر احسان ایک مشہور و معروف ڈاکٹر ہیں ان کی رائے سے اختلاف کیا ہی نہیں جا سکتا کہ اگر وہ نبض پکڑ کے کہہ دیں "یہ مر چکا ہے" تو آئی سویئر ان کی بات کو مانتے ہوئے میں واقعی مر جاؤں گا آپ سوچتے کتنے بوڑھے سے ہیں ڈاکٹر احسان ان کا دل رکھنا تو عین عبادت ـــ ہائے بھائی جان۔" ناصر بھائی نے کہنی موڑا تو چلتی زبان تو رک گئی مگر ہونٹ بنا آواز کے بولے گئے۔

"اہعل اتنا مت بولا کرو کہ تمہارے منہ پر ٹیپ چپکانا پڑے۔" اہعل نے سنا تو ہونٹ بھینچ گئے نہ صرف ہونٹ بلکہ آنکھیں بھی بند کر لیں تکیے پر سر رکھا اور ان تینوں کی طرف سے پشت کر لی۔

"اہعل پلیز یار بتا دو کون تھا وہ تمہارے بیان پر ہی ہماری تفتیش آگے بڑھے گی بیٹے۔" ناصر بھائی چمکارنے لگے تو اس نے چہرہ ان کی طرف کیا پھر بولا۔

"یہ آپ کی تفتیش سے مجھے اب تشویش ہونے لگی ہے۔" پھر وہ ذرا رکا اور مسکرایا۔

"اگر آپ انسانی سلوک کرنے کا وعدہ کریں تشدد نہ کرنے کا پرامس کریں تو نام بتا سکتا ہوں میں۔"

"تم نام بتاؤ یہ میں پھر سوچوں گا کہ اس سے کیا سلوک کرنا چاہیے۔"

"سلوک ـــ آ گئے ناں آپ اپنی مخصوص ٹون پر چاہے کسی عہدے پر چلے جائیں آپ کے محکمے کا ہر شخص دل سے فیوڈل لارڈ ہی رہتا ہے تھرڈ ڈگری ہر معاملے میں کارآمد نہیں ہوتی بھائی کبھی کبھی بندہ محض اچھے اخلاق سے بھی ـــ"

"اچھے اخلاق ہونے ـــ میں خدمت خلق کمیٹی کا ممبر نہیں اس شہر آشوب کا ڈی ایس پی ہوں اسٹوپڈ اور مزید یہ کہ یہ پولیس کا شعبہ بھی تم جیسے خوام کے افراد ہی سے مل کر بنتا ہے اور پھر پولیس پر کشف نہیں ہوتا نہ ہی روشن ضمیری کا ہنر ہم جیسے گناہ گاروں کے پاس ہے اس لیے ہمیں معاملے کی تہہ تک پہنچنے کے لیے اپنے اختیارات میں رہتے ہوئے ہر حربہ آزمانا پڑتا ہے۔"

"اختیارات میں رہتے ہوئے شاید آپ اخبارات نہیں پڑھتے۔"

"پڑھتا ہوں مگر وہ ایک الگ بحث ہے جس میں میں اس وقت پڑنا فضول سمجھتا ہوں' فی الحال تم سے صرف اس وقوعے کی انویسٹی گیشن چاہتا ہوں۔"

"تو چاہتے رہیے نا میں تو ہوں ہی اتنا پیارا کہ ہر کوئی مجھے دیکھتے ہی چاہنے لگتا ہے لیکن فار گاڈ سیک کوئی نظم سنانے کو مت کہیے گا جیک اینڈ جل' بابا بلیک شیپ' اور بے بی بے بی یس ماما' عرصہ ہوا میں بھول چکا ہوں۔"

"اہعل ـــ" ناصر بھائی سنجیدہ ہوئے تو اس کا چہرہ ان سے بھی زیادہ سنجیدگی کا شاہکار تھا۔

"میں اس کیس کی انویسٹی گیشن نہیں چاہتا نا تم سے میرے محکمے کا کوئی اور آفیسر بھی یہ سوال کر سکتا ہے شہر میں ہونے والے ہر واقعے کی تفتیش پولیس کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔" وہ سمجھانے لگے۔

"لیکن میں نہیں چاہتا کہ مجھے اس معاملے میں انجوائے کیا جائے کار کا ایکسیڈنٹ میری اپنی بھول سے ہوا تھا۔"

"لڑکے تم گھر کیسے پہنچے۔" انہوں نے اس کی بات سے نیا نقطہ نکال لیا۔ تو لمحہ بھر کو وہ بوکھلایا پھر نہایت پروپیشانہ لہجے میں بولا۔

"یہ سب اللہ کی رحمتوں کے کرشمے ہیں جناب وہ چاہے تو تنکے میں بھی جان ڈال دے کسی زخمی کو کسی عقاب کے پنجوں سے اس کے گھر میں پھنکوا دے۔"

"عقاب کے بچے اور تم! اہعل کچھ عقل سے کام لو۔" ناصر بھیا نے پھر سے ڈانٹا تو اس نے سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

"بس بھائی میں اس بات کو یہیں ختم کرتا ہوں پلیز اب اس معاملے میں مجھے مت گھسیٹا جائے میں کسی سوال کا جواب نہیں دینا چاہتا۔" اس نے کہہ کر آنکھیں بند کر لیں تو عامر بھائی ناصر بھائی کا کاندھا تھپکتے ہوئے رمیز بھائی کے ساتھ باہر کی طرف بڑھ گئے۔

ابھی انہیں باہر نکلے پانچ منٹ نہیں ہوئے تھے اس نے بیڈ سے چھلانگ لگائی جلدی سے لباس بدلا پھر کھڑکی سے باہر نکل گیا کیونکہ دروازے سے نکلتا تو کوئی جانے نہ دیتا سو اس نے دائیں بائیں دیکھ کر گیراج سے بائیک نکالی قریب سے گزرتے ملازم نے تحیر سے اسے دیکھا۔

"بابا صاحب آپ تو زخمی تھے؟۔"

"اچھا مجھے دراصل کچھ ٹھیک سے پتا نہیں تھا ذرا بھاگ کر اخبار تو لانا۔"

"اخبار کیوں ـــ صاحب؟۔"

"یار بابا جی دراصل میں اخبار میں دیکھنا چاہتا تھا کہ حادثہ درحقیقت شدید کتنا تھا اور میں کس قدر زخمی ہوا ہوں۔"

"جی جی ـــ؟۔" اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں مگر حکم حاکم کے تحت اخبار لینے آگے بڑھ گیا لہٰذا اہعل ضیا کو ایسا موقعہ خدا دیتا سو فوراً "موٹر سائیکل کو کک ماری اور دیگر گاڑیوں کے سیل رواں میں بہنے لگا اور ایک جگہ رک کر ٹیلی فون بوتھ میں ریسیور تھامے سکہ ڈالا دوسری طرف سے انگیج ٹون آ رہی تھی پھر اس نے کتنے ہی سکے ڈالے مگر ہر بار لائن کٹ جاتی یہاں تک کہ کوئی پانچویں مرتبہ جیب خالی۔

"مل جا یار ورنہ ابھی سڑک پر سکے جمع کرنے کے لیے گداگری کرنا پڑے گی اور بزنس ٹائیکون کیا سوچیں گے اہعل ضیا خاکوانی اور فقیری یہ مارا ـــ ہاں مل گیا تھینک گاڈ جی۔" اس نے بوتھ کی چھت کو گھور کر شکر ادا کیا پھر نمبر ڈائل کر کے دوسری طرف کی آواز سننے لگا۔

"آئی ایم اہعل ضیا زمان جمیل سے کہو اب کی دفعہ کسی اور طریقے سے حملہ کروائے یہ اوچھے ہتھکنڈے اسے سوٹ نہیں کرتے ہاں کہہ دینا اسے بزنس اور رشتے دو مختلف کیٹگری ہیں اور یہ بھی بتا دینا کہ میرے مرنے سے شرجیل بھائی جان اس قدر ڈسٹرب نہیں ہو سکتے کہ بزنس ہی چھوڑ دیں۔ ویسے ایک ٹپ ہے حملہ کروانے میں کبھی اپنے ذاتی ملازم استعمال نہیں کرنے چاہئیں ورنہ پہلی دفعہ ہی میں پولیس دروازہ کھٹکھٹا دیتی ہے یعنی آپ تو کافی جینئس ہیں ناں اس لیے مسٹر زمان جمیل کو بستر رائے دیجیے گا۔" اس نے فوراً "فون ڈسکنیکٹ کر دیا مینیجر کی آواز یا جواب سننے کی ضرورت ہی نہ سمجھی اور فون بوتھ سے نکلتا چلا گیا۔

اب اس کا رخ نعمان راؤ کے گھر کی طرف تھا صبح ہی صبح نعمان باتھ روم میں کھڑا شیو میں مصروف تھا اماں جان تخت پر بیٹھی تھیں اور ربیعہ بھابھی دائیں بائیں گھومتے ہوئے اندر ناشتا سرو کر رہی تھیں کچن چونکہ صحن کے ہی ایک حصے میں بنا ہوا تھا اس لیے اس کی نگاہ بار بار اندر باہر جاتی بھابھی کی طرف ہی گئی ہوئی تھی۔

"ان کا کام نہیں ختم ہونے کا میری تو آنکھیں تھک گئیں بھئی۔" اس نے بسور کر اماں جان کو دیکھا جو تخت پر بیٹھی ناشتے کے بعد پان کی گلوری بنانے میں محو تھیں۔

"ہیلو اماں جان ـــ" بالآخر وہ کھنکارا نعمان نے

بے ساختہ باتھ روم سے جھانک کر اس کا چوکھٹا ملاحظہ کیا اور بے اختیارانہ پوچھا۔

"ارے...! یہ کیا کر آئے جان نعمان۔"

"معمولی سا کار ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔" وہ تھک کر تخت پر بیٹھ گیا اور نعمان نے حیرت سے کہا۔

"یہ معمولی ایکسیڈنٹ ہے۔" اس نے سنا تو بے ساختہ ہنسنے لگا۔

"بس ایویں شوق ہو رہا تھا' یونیورسٹی سے چھٹی کرنے کا بھیا تو قطعاً "اجازت نہیں دیتے" اس لئے میں نے سوچا۔"

"ارے اہمل بھائی آئے ہیں۔" نعمان سے چھوٹا منظر گرمجوشی سے چلایا تو اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"دیکھ لو میں ہی ہوں جو ہر دوسرے دن چکر لگا لیتا ہوں تمہیں یا تمہارے ان بھائی جان کو تو توفیق ہی نہیں ہوگی میرے گھر آنے کی۔" اس نے ہمیشہ کا شکوہ کیا تو وہ شرمندہ ہو گیا۔

"وہ بس بھائی فرصت نہیں ملتی کالج' کلب کے بعد ٹیوشن یقین کریں گھر آ کر اتنا تھک جاتا ہوں کہ پھر۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں یہ ان نعمان کے بعد آپ ہی کو تو انتظام حکومت چلانے کی کڑی ذمہ داری سونپی گئی ہے باقی تو سب نصرے فضول۔"

"پلیز اہمل بھائی ایسا تو نہ کہیے آپ آتے ہیں آپ کی محبت ہے اور محبت کرنے والے سنا ہے کبھی خفا نہیں ہوا کرتے۔"

"ہاں پتا ہے ناں وہ ٹپ پوائنٹ کا بس ہو گئے شروع" اس نے اس کا کان پکڑ کے مروڑا وہ ہنسنے لگا اور کمرے میں ناشتہ کروا کے ربیعہ بھابھی کچن سے پکاریں۔

"ناشتہ کر کے آئے ہو اہمل یا ٹیبل پر لگاؤں۔"

"کر کے تو آیا ہوں لیکن اپنی ربیعہ بھابھی کے ہاتھ کے پکے پراٹھوں کی کیا ہی بات ہے لیکن ٹیبل کی بجائے میرا ناشتہ ادھر تخت پر لے آئیے آج میں اماں کے ساتھ ناشتہ کروں گا۔"

"مگر میں تو کر چکی ہوں چندا۔"

"تو کیا ہوا ناشتا تو میں بھی کر چکا ہوں لیکن ربیعہ بھابھی کو گارڈ آف آنر دینے کے لئے یہ ٹرائل تو لینا ہی پڑے گا چھوڑیں ناں اماں' ناشتا کریں۔" وہ اماں کے ہاتھ سے سروتا رکھ کر دوزانو ہو گیا تو باتھ روم سے منہ ہاتھ دھوتا نعمان چلایا۔

"میرا ناشتہ بھی یہیں لے آئیے بھابھی۔" تولیے سے منہ پونچھتا وہ بھی وہیں آ بیٹھا بالکل اس کے سامنے اور پھر مسکرایا۔

"آج بڑا ڈیشنگ لگ رہا ہے خیریت" اس نے [illegible] تو فوراً "کالر اکڑا کے پھر مسکرایا۔

"یونیورسٹی جا رہا ہے نا؟"

"ہاں کیوں...؟" اس کے سوال پر اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے دیکھا نعمان بے سبب مسکرایا اور اس نے تکیے کے نیچے دبا بڑا سا پیکٹ نکال کر اسے تھما دیا۔

"یہ گفٹ باحفاظت اس طوفان بدتمیزی تک پہنچا دینا کہ جذال میں تو اس اسٹوپڈ کو اپنی ڈیٹ آف برتھ بھی یاد نہیں رہتی۔"

"ہاں اور آپ کو تو اس کی سالگرہ منانا فرض ہے [illegible] نہ منائی تو گناہ ہو گا۔" اس نے جل کر کہا تو وہ پھر سے ہنسنے لگا اور اماں دونوں کو دلچسپی سے دیکھنے لگیں جب کہ ربیعہ بھابھی قریب ہی کرسی پر بیٹھی ان کی یہ [illegible] گفتگو سن کر سرہلا رہی تھیں۔

"بعض اوقات تم دونوں جاسوسوں والی زبان استعمال کرنے لگتے ہو۔" بلاؤ آخر اماں کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا تو دبی دبی ہنسی یکلخت قہقہے میں بدل گئی۔

اہمل کا قہقہہ نعمان سے بلند تھا اسے کھل کر قہقہے لگانے کی پرانی عادت تھی اور اس گھر میں تو اس کے قہقہے بچپن سے گونجتے آ رہے تھے سو نہ [illegible] آم کا پیڑ چونکا تھا نہ اردگرد کی فضا بس سب نے [illegible] کر اس کے چہرے کی بلائیں لی تھیں اماں [illegible] سمیت کہ ان دونوں کو شروع سے اس کے قہقہوں سے خوف آتا تھا۔

"کم کم ہنسا کر اس طرح ہنستا ہے تو اتنا اچھا لگتا ہے کبھی نظر لگ گئی کسی کی تو...؟" اماں نے صرف

ایک بار کہا تھا اور اس نے اس جملے کو بھی قہقہے میں برابر کر دیا تھا سو اس وقت دونوں خاموشی سے ان دونوں "ڈبل او سیون" کی ٹیم کو دیکھ رہی تھیں۔

"اماں یہ دیکھو نعمان کا بچہ' اس حلوے پر میرا حق ہے میں مہمان ہوں ناں۔"

"شکل دیکھو کہاں سے مہمان لگتے ہو ثابت کرو۔"

"ثابت... تمہیں تو میں کسی دن ٹکڑے ٹکڑے کروں گا چھوڑوں گا نہیں کمینے۔" وہ بسورا تو بھابھی بے ساختہ ہنسیں۔

"میں لائی ہوں تمہارے لئے حلوہ یہ نعمان میٹھے کے معاملے میں واقعی بہت ندیدہ ہے۔" بھابھی اندر کو بڑھیں تو وہ ہنستا ہوا اٹھ گیا نعمان نے اسے اٹھتے دیکھ کر ساری پلیٹ ہی اس کی طرف بڑھا دی۔

"پہلے دے دیتا بچی کو پریشان کرنے کی عادت نہیں جاتی تمہاری۔" اماں نے نعمان کو ڈانٹا تو اس نے اس کے کاندھے سے سر ٹکا دیا۔

"یہ پریشانی نہیں محبت تھی اماں اور یہ نعمان یہ تو میری جند جان ہے رہا یہ حلوہ تو اس سے نہ اسے اس قدر دلچسپی تھی نہ مجھے بس چھینا جھپٹی کر کے کھانے کا بھی الگ ہی مزا ہے ناں۔" کہتے ہوئے اس نے چھوٹا سا ٹکڑا اٹھا کر اپنے منہ میں رکھا اور بڑے ٹکڑے سے پورا اس کا منہ بھر دیا وہ کچھ بولنا چاہ رہا تھا لیکن منہ ہی بھرا ہوا تھا اس کی حالت زار دیکھ کر وہ پھر قہقہہ لگائے بغیر نہ رہا۔

"او کے اس سے پہلے کہ یہ اس پرابلم سے نکلے میں چلتا ہوں ورنہ میری شامت ہے بائے اماں۔" اس کے بال بگاڑتا وہ باہر کی طرف دوڑا اسے اس قدر تیزی سے جاتا دیکھ تو بھابھی چلائیں۔

"یہ حلوہ نہیں کھا رہے اہمل؟"

"اس نعمان کو کھلا دیجئے میں سمجھوں گا میں نے ٹھونس لیا۔" وہ کہتا ہوا لپکتا چلا گیا اور پھر جب واپسی بھی کھڑکی کے ذریعے ہوئی تو سب کچھ ٹھیک لگ رہا تھا لیکن سامنے بیٹھے ناصر بھائی کو دیکھ کر اس کی سٹی گم ہو گئی۔

"کہاں سے آ رہے ہو پیارے...؟"

"وہ بس یہیں باہر تک گیا تھا چیونگم ختم ہو گئی تھیں بھائی۔"

"بکومت۔" انہوں نے ڈانٹا تو وہ چپ ہو کے بیڈ پر بیٹھ گیا موزے جوتے اتارے پھر کراہنے لگا۔

"ہائے سر میں درد' ہائے میری یادداشت"

"اہمل تم آخر نام بتا کیوں نہیں دیتے۔"

"مجھے ایسے ہر واقعہ سے انکار ہے جس کی آپ انویسٹی گیشن کر رہے ہیں۔"

"ہوں گھی سیدھی انگلیوں سے ہرگز نہ نکلے گا مگر یاد رکھو میرا بھی نام ہے ناصر ضیا خاکوانی۔"

"پلیز انگلش میں بھی دہرائیے بڑا سرور مل رہا ہے۔" اس نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

"شٹ اپ۔" ناصر بھائی غصے میں اٹھ گئے تو اس کا خاص ملازم اشرف آ گیا۔

"صاحب صبح سے کتنی ہی بار کسی رحمان جمیل کا فون آ چکا ہے۔"

"رحمان جمیل! او کے تم جاؤ لیکن سنو کافی [illegible] دو۔"

"جی اچھا...!" ملازم چلا گیا تو اس نے فون اپنی طرف کھسکایا پھر نمبر ڈائل کرنے کا سوچ ہی رہا تھا [illegible] فون بیل خود ہی بج اٹھی اس نے آواز پہچانی اور [illegible] کم طنزیہ لہجے میں زیادہ پوچھا۔

"ہیلو مسٹر رحمان جمیل مزاج شریف کیسے ہیں؟"

"تم اس قدر عزیز نہیں ہو کہ تمہیں اپنا مزاج بتاؤں اور رہی فون کال تو یہ صرف اس دن کی بات کے جواب کے لیے ہے جو تم نے میرے دفتر آ کر اپنی رائے بتائی تھی میرا نقطہ نظر نہیں سنا تھا۔" دوسری طرف سے کاٹ دار لہجے میں کہا گیا۔

"کیا مطلب...؟" وہ ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"مطلب یہ کہ جس ملازم کی بابت تم نے [illegible] وہ ایک عرصے سے میری کمپنی سے [illegible] الزام میں نکالا جا چکا ہے وہ جرائم پیشہ افراد کا آلہ کار ہے [illegible] دوسری بات تم پر حملہ صرف اس شخص نے [illegible] جس میں تمہاری مس زین زیادہ بے تحاشا [illegible]

ہیں۔"

"کیا اشارہ ملے گا کچھ۔" اس کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا تو دوسری طرف بھی گہری سنجیدگی چھا گئی۔

"تمہاری یونیورسٹی کا ہا! گروپ لیڈر شیرازی۔"

"آپ کی معلومات کا شکریہ اور ہاں صبح کے لہجے کی بہت زبردست سوری رحمان بھائی۔" دل صاف ہوا تو بے ساختہ ہی اس کے لہجے میں حلاوت در آئی مگر دوسری طرف سے بنا کسی رد عمل کے فون رکھ دیا گیا تھا وہ کتنی دیر تک فون ہاتھ میں پکڑے خاموش بیٹھا رہا مگر جب خلش زیادہ ہی ہونے لگی تو پھر سے جوتے پہننے لگا۔

"کہاں چلے بابا صاحب؟۔"

"مشن امپاسبل پہ ایک شریف آدمی کو منانے۔"

"کیا مطلب ہے؟۔" کافی کا کپ ملازم نے اس کی طرف بڑھایا تو وہ مسکرایا۔

"مطلب یہی کہ کافی بنانا کوئی ہمارے ڈرسٹ شریف سے سیکھے۔" وہ غٹاغٹ کافی چڑھا گیا پھر کپ واپس دیتے ہوئے تھوڑی سی اسمائلنگ دی کاندھا تھپکا "اوکے پھر ملیں گے" کہہ کر باہر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

*_*_*

نعمان یونیورسٹی پہنچا تو اس کی جان ہی جل گئی ذی ذی آج پھر شیرازی کے ساتھ بیٹھی تھی دونوں کے ہاتھ میں برگر اور کوک تھی۔

"آج ساری کلاسیں بینک کریں مس زین۔"

"کیوں نہیں ہمارا بس چلتا تو ہم پوری یونیورسٹی بند کروا دیتے لیکن بہرحال برتھ ڈے منانے کی اس سے اچھی صورت نہیں ہو سکتی شام کو آیئے گا ہلٹن وہاں برتھ ڈے یادگار کرنے کا اس سے بھی زیادہ اچھا انتظام ہے۔"

"نو تھینکس مجھے عمیا" اس قسم کی پارٹیز سے الرجی ہے۔" اس نے منہ سکیڑ کر کہا پھر ہاتھ میں پکڑا گفٹ پیک اس کی طرف بڑھا دیا۔

"دوستی کی پہلی شرط تحفہ اور تھیوری ہے اہمل ضیا کی۔" ذی ذی نے گفٹ تھاما تو شیرازی نے اسے گھور کر دیکھا سو وہ جان جلانے کو کچھ زیادہ ہی جاندار انداز میں مسکرایا ذی ذی نے بنا کچھ کہے گفٹ رکھ لیا تو وہ "سی یو" کہتا آگے بڑھ گیا پھر ایک کلاس کے سامنے اسے رامین مل گئی تو اس نے بے ساختہ کہا۔

"اپنی دوست کو کہیے شیرازی کوئی اچھا آدمی نہیں بچ کے رہے اس سے۔"

"جی اچھا۔" اس نے گھبرا کر تنہا ہونے کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی سعادت مندی دکھائی تو نعمان کو اس معصوم سی لڑکی کی کیفیت پر بے ساختہ ہی ہنسی آ گئی۔

"مس رامین یہ آپ کی ذی ذی سے دوستی کیسے ہو گئی کہاں آپ کہاں وہ شعلہ جوالا۔"

"بھئی ایسی تو کوئی بات نہیں ہے ذی ذی تو بہت پیاری لڑکی ہے نعمان صاحب۔"

"ہوں بڑی اچھی دوستانہ حمایت ویسے یہ بات میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ ذی ذی کو شیرازی سے دور رکھو فلرٹی ہے لڑکیوں کے معاملے میں کوئی ایسا غلط کام نہیں جو وہ نہیں کرتا۔"

"جی ہی اِی۔" متوحش تحیر زدہ سی وہ اسے دیکھنے لگی تو اس نے ذی ذی کو آتا دیکھ کر اس کی طرف سے انگی پشت کر لی۔

"مسٹر نعمان احمد راؤ یہ گفٹ اپنے ان اہمل ضیا کو لوٹا دیجئے گا میں اس قدر غریب بھی نہیں کہ اس طرح کا لباس نہ خرید سکوں اور یہ قلم کے ٹکڑے انہیں لوٹاتے وقت پلیز مسکرانا ضرور۔" عجیب رعونت متنفر لہجہ تھا اس کا نعمان کی جان اندر تک سلگ کر راکھ ہو گئی تھی لیکن پھر بھی اس نے اپنا لہجہ سنبھالے رکھا۔

"آپ ایسا کیوں نہیں کرتیں مس زین کہ یہ سلوک یہ جواب خود ہی اسے دے دیجئے گا ویسے ہی بے چارہ کل مرتے مرتے بچا ہے۔"

"کیا ہوا نعمان بھائی؟۔" یکلخت رامین نے گھبرا کر پوچھا تو ذی ذی اس کا ہاتھ پکڑ کر حقارت سے بولی۔

"مجھے اس کی کسی بات پر یقین نہیں اور پھر بھی اگر کچھ ہو ہی گیا محترم کو تو تم کہو ایک اول درجے کے فلرٹی اور برے شخص کے مرنے پر دنیا کو کیا فرق پڑتا ہے۔"

"یاد رکھیے گا مس زین اس برے شخص کے مرنے پر آپ ہی روئیں گی گڑگڑا کر اس کی زندگی کی دعائیں مانگیں گی لیکن اس دن آسمان دعائیں بھی لوٹا دے گا کہ کفران محبت کرنے والوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔" اس کے لہجے میں جوابا" نہ جانے کہاں سے اتنا درد آ گیا کہ رامین اس کے لہجے سے اس کی باتوں سے گھبرا گئی۔

"پلیز نعمان بھائی مت کہیے ایسے آخر کو وہ بھی تو کسی کی آنکھ کا نور ہیں۔"

"نور ہے!" یکلخت اس کا بگڑا موڈ سنورنے لگا۔

"کس قدر اچھی ہیں آپ مس رامین مگر کس قدر غلط شخص کے ساتھ دوستی میں پھنسی ہوئی ہیں۔"

"رامین از تو چ تم چل رہی ہو میرے ساتھ یا بیٹھیں سے تمہارا میرا رشتہ جدا ہوتا ہے۔" مٹھیاں بھینچے ہوئے وہ پکاری تو رامین کی جان پر بن گئی۔

"کیسی باتیں کرتی ہو ذی ذی میں نے بھلا تم سے الگ ہو کر کیا کرنا ہے۔" اس کے تیز قدموں کا ساتھ دیتے ہوئے وہ بھی تیز تیز قدم اٹھانے لگی اور بالآخر اس کے برابر پہنچ گئی اور نعمان دیوار سے ٹیک لگائے اس چھوٹی مگر آفت کی پرکالہ لڑکی کو دیکھے گیا جس کے دل میں محبت کے بارے میں بہت زیادہ زہر بھرا ہوا تھا مگر۔

"کیا ہوا مسٹر نعمان یہاں کیوں کھڑے ہیں آپ؟۔" پروفیسر عباس نے شستہ انگریزی میں سوال داغا تو وہ۔

"کوئی خاص بات نہیں سر" کہہ کر اپنی اگلی کلاس اٹینڈ کرنے چل پڑا اور پھر دن بھر بقول اس کے جھک مار کے تھک گیا تو یونیورسٹی آف ہونے پر اس کے قدم گھر کی طرف اٹھتے ہوئے عجیب طرح کا سرور اور خوشی محسوس کر رہے تھے ایسے جیسے کسی قید خانے سے چھوٹا ہو سو وہ ہر طرح کی سوچیں بھلائے گھر میں داخل ہوا۔

مگر اہمل ضیا تو اس سے بھی پہلے گھر میں براجمان تھا بلکہ شور کر رہا تھا ربیعہ بھابھی کو اس نے "مغلئی چکن روسٹ" کا حکم دیا تھا سو اماں کے تخت پر بیٹھا ان کے پاندان سے سونف نکال نکال کر پھانکتے ہوئے انہیں اسی بابت ہدایات بھی دے رہا تھا اس لیے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے پر بالآخر ربیعہ بھابھی اس کے سر پر آکھڑی ہوئیں۔

"خدا کے واسطے اہمل مجھے اپنی رسی سے بچانے دو تم نے نہ جانے کتنی ترکیبیں مکس کر ڈالی ہیں یاد رکھو اس ترکیب کو استعمال کیا ناں تو مغلئی روسٹ نہیں ملغوبہ بنے گا ملغوبہ۔" ان کی جھنجلاہٹ عروج پر تھی سو اہمل ضیا کا قہقہہ بار ہونا لازمی تھا۔

"آپ نہیں جانتیں میں کچن کے حالات حاضرہ پر کس قدر عبور رکھتا ہوں لیکن ہائی گاڈ بھابھی یہ سب شور بک بک تو میں صرف اس لئے کر رہا تھا آپ اپنے اس حجرے سے باہر آئیں تو میں آپ کو بتا سکوں کہ میٹھے میں مجھے صرف رس ملائی مرغوب ہے۔"

"میں نہیں بنا رہی رس ملائی بہت بکھیڑا ہے اس میں۔"

"مگر یار بھابھی بنی بنائی پر تو کہتے ہیں چٹکی بجایئے رس ملائی تیار۔" اس نے نہایت معصومیت سے دیکھا بھابھی نے جوابا" پلٹ کر کچھ کہنے کو سر اٹھایا تو ان کا جملہ وہیں دم توڑ گیا۔

"تم اپنی شکل بدل لو اہمل اسے دیکھ کر انکار نہیں ہوتا عجب مسکین سی صورت ہے۔"

"مسکین اور کچھ یتیم سی بھی اسی لئے آج کھلایئے روز محشر کے لئے ثواب کمایئے کہ یتیموں کی خبر گیری کرنے والے تو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے ہیں ناں۔" اس نے ڈھٹائی دکھائی تو بھابھی ہنستی ہوئی واپس کچن کی طرف بڑھ گئیں اور نعمان کپڑے بدل کر ہاتھ منہ دھو کر تخت پر ہی آ بیٹھا۔

"کیسا رہا آج کا دن؟۔" اس نے ربیعہ بھابھی سے بات منوا کر ڈائریکٹ نگاہ اس پر جما دی تو اس کا منہ کڑوا ہو گیا۔

"اس کا مطلب ہے پٹ کر آیا ہے اس ہٹلر سے۔"

"کتنی ہمت ہے اس کی؟۔"

"پھر گفٹ کا کیا بنا؟"

"منہ پر دے مارا۔"

"ہیں کون بداخلاق ہے یہ' جو میرے بچے کا تحفہ ٹھکرا دیا۔"

"ہے اماں ایک ہے ایسا دوست جسے محبت سے الرجی ہے مگر جسے محبت کی قدر کروا کر ہی دم لینا ہے جسے رشتوں کی اہمیت اور ضرورت کی تھیوری پڑھانی ہے۔" اماں نے نا سمجھ نہ سمجھنے والے انداز میں سرہلا دیا۔

اور بھابھی نے بے تحاشا خاموشی محسوس کی تو جھٹ پٹ چکن روسٹ اس کے سامنے لا رکھا نعمان نے اچانک نعمت غیر مترقبہ دیکھی تو ندیدوں کی طرح منہ چلانا شروع کر دیا اس نے دیکھا تو زور زور سے نفی میں سرہلانے لگا۔

"نو نو یہ صرف میرے لیے ہے اور اسے میں ہی کھاؤں گا۔"

"اہمل اتنا سارا چکن تم کھاؤ گے بیمار پڑ گئے تو۔"

"تو کچھ نہیں تیمارداروں کی ایک لمبی فہرست ہے میرے پاس میں ایک سال تک بھی بیڈ ریسٹ لے سکتا ہوں۔"

"زیادہ فضول مت بولا کرو اہمل۔" اماں نے ڈانٹا

"اب اتنے ندیدے پن سے کھو گے تو میرا تو ہو گیا ناں کام یہ لو چلو تم بھی تناول کر ہی لو۔" چھری کانٹے سے مزے دار چکن روسٹ کے پرخچے اڑاتے ہوئے اس نے آفر کی تو دروازے سے داخل ہوتا مظفر بھی جوتوں سمیت اس دعوت خاص میں شامل کیا کچھ ہی دیر بعد رمیہ بھابھی نے اس کے سامنے رس ملائی لا رکھی۔

"ہیں! کیا تیار رکھی تھی۔" اس نے حیرت دکھائی۔

"دراصل آج ہماری ویڈنگ اینورسری تھی اور رس ملائی تمہارے بھائی کو بھی بہت مرغوب ہے اس لئے ان کی پسند پر بنا رکھی تھی۔"

"بھیا کے گلے بتائی ہے تو ان سے پہلے ہم نمونے اچھے لگیں گے رکھیے اسے فریج میں شام کو جب

آئیں گا تو گفٹ کے بدلے ایک پلیٹ رس ملائی۔"

"بالکل مفت۔" مظفر بے ساختہ پکارا تو اس نے اس کا کان مروڑ دیا۔

اچھی طرح پیٹ بھر گیا تو اس نے جانے کے لیے کمر باندھی۔

"چلتا ہوں اب' تمہیں تو پتہ ہے بیمار ہوں" وہ کراہنے لگا تو نعمان نے بے ساختہ اس کی معصوم صورت دیکھی اور وہ گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ گھر پہنچا تو ڈاکٹر احسان کو پہلے سے موجود پایا۔

"کہاں تھے تم۔ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں صبح ہی صبح شرجیل میاں کا فون آیا تھا کہ ڈریسنگ کر جاؤں چلو ادھر آؤ اسٹول پر بیٹھو۔" انہوں نے میڈیکل بکس کھولا تو وہ مسکراتا ہوا ان کے سامنے بیٹھ گیا پرانی پٹی ہٹائی تو ڈاکٹر احسان کی سرزنش کمرے میں گونجی۔

"کس قدر لاپرواہ ہو اہمل میاں یہ دیکھو خون پھر سے کیسے بہہ رہا ہے' اس قدر لاپرواہی برتی تو زخم خراب بھی ہو سکتے ہیں اہمل' اپنا بھلا چاہتے ہو تو اب بالکل بداحتیاطی مت کرنا۔" اس نے سنا تو سعادت مندی سے سرہلایا اور پھر واقعی بیڈ پر لیٹا تو لگا تھکن سے جسم ٹوٹ رہا ہو۔

شام کو عباس بھائی کی ویڈنگ اینورسری ہے لیکن شاید گول کرنی پڑے گی اپنی تو ہمت نہیں ہو رہی یار اس نے بے ہمت سے سوچا پھر شریف کو آواز دی پھر جیب سے قلم نکال کر ایک چٹ پر کچھ لکھا۔

"ابھی شاپنگ مال جاؤ یہ پرفیوم پیک کرواؤ اور ایک کارڈ اور دو گلدستوں سمیت ٹھیک پانچ بجے نعمان کے گھر دے آؤ عباس بھائی میرا پوچھیں تو کہنا میری طبیعت کچھ اچھی نہیں ہے۔"

"آپ کی طبیعت اچھی نہیں ہے میں صاحب کو بلاؤں۔" شریف گھبرا گیا تو وہ ہنسنے لگا۔

"بس کچھ تھکن سی محسوس کر رہا ہوں ویسے بالکل ٹھیک ہوں چلو اب جاؤ مجھے سونے دو رات کے کھانے پر مت اٹھانا۔"

"جی کھانے پر مت اٹھانا کیا مطلب۔" وہ حیرت

سے بولا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا گلا خراب ہے اس لیے تمہیں نصیحت کر رہا ہوں اور انہیں سنا پاؤں گا اور شریف تم بھی تو سنجیدگی اور دھیان سے بات سن لیا کرو۔" اس نے گھور کے دیکھا پھر دوبارہ بات سمجھائی تو وہ چٹ اور پیسے جیب میں ڈال کر باہر نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی اہمل نے کروٹ لی فون پر نظر پڑی تو بے ساختہ زی زی کا خیال آیا فون نمبر گھمایا تو گھنٹی بجی پر اس نے ریسیو کیا اس کی آواز سنی تو کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر آہستگی سے بولا۔

"تمہارے ہاتھ سے لکھی نظم پسند نہیں آئی۔"

"کون اہمل؟"

"جی اہمل ضیا آپ کا باڈی گارڈ۔"

"لیکن مجھے کسی باڈی گارڈ کی قطعاً ضرورت نہیں۔"

"آخر زی زی تم کیوں مان نہیں جاتیں کہ تمہیں بھی کسی سہارے کی ضرورت ہے انکل زیاد اپنی طویل بیماری کی وجہ سے زندگی کی طرف سے ناامید ہو چکے ہیں اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ حقداروں کو ان کی امانت سونپ دی جائے۔"

"لیکن میں کسی ایسے حق دار کو نہیں جانتی جس نے ساری زندگی خبر نہیں لی اور اب اپنا حق جتانے چلا آیا۔"

"میں نے تمام عمر تمہیں تلاشا ہے زی زی ایک ایک پل کی خبر رکھی ہے تمہاری پلیز اب اور مت ستاؤ ہاں مان جاؤ کہ مان جانا محبت کی پہلی کڑی ہے اور پھر میں کوئی غیر تو نہیں اسی باپ کا بیٹا ہوں جس کی تم۔"

"مجھے انکار ہے ہر اس سچ سے انکار ہے جو تم کہو مجھے ضیا خاکوانی کے ہر حق سے انکار ہے باپ صرف بچوں کا وجود دنیا میں لا کر بے یار و مددگار چھوڑ دینے والے کا نام نہیں نہ ہی دولت کے بل پر ایک ملازم کو اپنی بے سہارا بیوی اور بچی کا سرپرست بنا دینے کو کہتے ہیں۔

اور اہمل ضیا خاکوانی باپ اس رشتے کو بھی نہیں کہتے اور مجھے ہتھکنڈوں سے ایک مفلس شخص کے

پاؤں محض اس لیے توڑ دے کہ کہیں وہ تاریکی میں اس کی سابقہ بیوی اور بچی کو تمام دولت سمیت کر تنہا چھوڑ کر نہ بھاگ جائے۔

ضیا خاکوانی مجھے نفرت ہے اس نام سے کہ اس شخص نے کبھی انسان کو انسان نہیں سمجھا' ہر شخص کی عزت نفس دولت سے خریدنی چاہیے مگر میں تمہیں بتا دوں ابن ضیا کہ ہر چیز نہ بکاؤ ہوتی ہے نہ اتنی سستی کہ ایک نام ایک حوالے کے عوض خریدلی جائے۔

ضیا خاکوانی کے بغیر بھی میری ایک شناخت ہے "زیاد" میرے نام کے ساتھ میری ہر دستاویز پر وہی درجہ رکھتا ہے جو تمہارے لئے ضیا خاکوانی کا نام بس فرق ہے تو اتنا کہ تمہارے باپ کا نام بہت مہنگا ہے ملٹی ملینئر' میں بہت سستے بکنے والا۔

اور زیاد احسان محض ایک کالم نگار مگر میرے شفیق سے محافظ جسے میں اپنا باپ سمجھتی ہوں جس کو تمہاری تمام دولت بھی نہیں خرید سکتی کیونکہ وہ قلم کی آبرو اور اپنے منہ بولے رشتوں کی ناموس پر قربان ہوتا اور ان کی حفاظت کرنا خوب جانتا ہے اور ڈونٹ یو ٹل آئندہ فون مت کرنا یہاں۔" اتنی بات کہہ کر اس نے کھٹاک سے فون بند کر دیا تو اہمل نے ایک طویل سانس لیا سامنے ہی ضیا خاکوانی کی بڑی سی تصویر آویزاں تھی۔

"پاپا! آپ نے یہ جانے کیا کیا کیا اور نہ جانے کتنے جرم ہیں جو محض آپ کے انتظام آپ کی حکمرانی کے نام منسوب کر دیئے گئے شاہ کے وفاداروں نے آپ کو کس کس طرح نہیں کیش کروایا کیسے کیسے نہیں۔" اس نے آنکھیں بند کیں تو وہ آنسو تکیے میں جذب ہو گئے۔

شام کے جب عامر بھائی اس کے کمرے میں داخل ہوئے تو وہ سو رہا تھا سو وہ واپس لوٹ گئے اور پھر ہر طرف اندھیرا تھا جب اس کے گیٹ پر پہلی بار نعمان راؤ کی بائیک رکی اتنی عالی شان کوٹھی کو دیکھ کر نعمان نے ایک بار پھر سے اپنے لباس کو دیکھا کلف لگے کالر کو پھر سے سیٹ کیا بٹن چیک کئے کھلے بٹن بند کئے چہرے سے پسینہ صاف کیا اور شاپنگ بیگ میں اچھی

طرح بند ٹفن کو دیکھا۔

"میں نے کتنا منع کیا مگر سب سر ہو گئے اب اتنے عالی شان گھر میں کیک کے چند ٹکڑے اور دو پلیٹ رس ملائی کیا سجے گی اگر جو کسی نے کچھ کہہ دیا تو ضروری تو نہیں گھر میں سب اصل کی طرح ہوں۔"

"کس سے ملنا ہے صاحب؟۔" گارڈز میں سے ایک شخص نے اپنے پتھریلے لہجے میں نرمی پیدا کرنے کی کوشش کی تو وہ ہکلا گیا۔

"اصل صاحب سے ملنا ہے میں دوست ہوں ان کا۔"

"شٹ اپ گھبراہٹ دیکھو اصل سے اصل صاحب بنا دیا اسے اسٹوپڈ۔" گارڈ کے مڑنے پر اپنی کمزوری پر زور سے پیر زمین پر مارا گارڈ نے واپس آکر گیٹ کھولا۔

"صاحب آپ کا اپنے کمرے میں انتظار کر رہے ہیں شریف آپ کو ان کے کمرے تک لے جائے گا۔" گارڈ نے ایک ملازم کی طرف اشارہ کیا اس نے سر ہلا کر گیٹ سے اندر قدم رکھا لیکن ابھی ملازم کی رہنمائی میں مزید ایک قدم بھی نہ چلا ہو گا کہ دو مضبوط بانہوں نے اسے تھام کر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"ہائے میری قسمت آج اتنی طویل دوستی میں پہلا موقعہ ہے کہ تم میرے گھر آئے۔" بے تحاشا خوشی میں اس سے بات بھی نہیں ہو رہی تھی اور وہ ملازم کے ہاتھ میں پکڑے ٹفن کیریئر کو تک رہا تھا کس قدر چیپ لگ رہا ہے اس وقت یہ ٹفن اس نے کوفت سے برا سا منہ بنایا تو اس کی بھٹکتی نگاہ بھی شاپنگ بیگ پر جا رکی۔

"اچھا تو جناب آج بھی آئے نہیں بلکہ زبردستی بھجوائے گئے ہیں کس قدر خیال ہے اماں بھابھی کو میرا۔" ملازم سے شاپنگ بیگ لے کر اس کا ہاتھ تھاما اور اندر بڑھتا چلا گیا وال ٹو وال کارپٹ ایسا کہ قدم دھنستے تھے دیواروں پر بیش قیمت و نادر تصاویر اور جانے کیا کیا ایک نگاہ میں تو سب سماتا ہی نہیں تھا یہ اصل یہاں رہتا ہے اسے اس کی امارت کا اندازہ تو تھا مگر اس قدر۔۔۔"

"کیا ہوا میرا گھر پسند نہیں آیا کیا؟۔" وہ گنگنایا تو وہ ہنسا۔

"یہ گھر ہے یا کوئی محل اتنی راھدار یاں اتنے کمرے اصل تم تو کراون پرنس ہو یا پلک جھپکتے ہی خواہش پوری کر لینے والے۔"

"ہو سکتا ہے ایسا ہو لیکن نعمان انسان خواہشات اس وقت کرتا ہے جب اس کے پاس محبت سے بچ وقت بچے جب کہ میرے پاس تو چاہنے والوں کی اتنی بڑی لسٹ ہے کہ میں ان سب کی محبت دل میں جمع کرتے کرتے کوئی خواہش کرنا ہی بھول گیا ہوں یا شاید میری محبت رکھنے والے میرے دل و نظر کو اس قدر جان چکے ہیں اس قدر حفظ کر چکے ہیں مجھے کہ زبان سے کہنے سے پہلے ہر خواہش خود بخود پوری کر دیتے ہیں جیسے تم رابعہ بھابھی عباس مظفر بھائی اور۔۔۔" وہ چاہ کر بھی گنوا نا گیا پھر تھما تو مسکرایا۔

"کمرے میں چلو وہیں بیٹھ کر اطمینان سے مزید بکواس کروں گا۔" اس نے دروازہ کھولا پھر داخل بھی نہ ہوا تھا کمرے میں کہ رمیز اور عامر بھائی سے اچانک سامنا ہو گیا نعمان نے انہیں دیکھا تو سٹ پٹا گیا اور رمیز بھائی نے اس کی کیفیت بھانپی تو گرمجوشی سے اس سے بغل گیر ہو گئے۔

"پزل ہونے کی کیا ضرورت ہے یار اسے اپنا ہی گھر سمجھو۔"

"ہی از رائٹ۔" عامر بھائی نے پیشانی چوم لی تو اصل نے بے ساختہ کہا۔

"دیکھا کتنے اچھے ہیں میرے بھائی۔"

"بس بس بناؤ مت تلی ہوائے۔" رمیز بھائی نے سنورے بال بکھیرے تو وہ ہنستا ہوا نعمان کو لیے بیڈ روم کے اندر بڑھ گیا۔

"یہاں بیٹھ میں ابھی منگواتا ہوں پلیٹیں مل کر کھائیں گے۔" دروازے تک گیا شریف کو آواز دی پلیٹیں لانے کا کہا اور واپس جھٹکے سے بیڈ پر آگرا پھر مسکرایا۔

"یہ تھوڑا کیوں ایسا ہو رہا ہے کیا بہت زبردستی بھیجا گیا ہے۔"

"نہیں تو بس ویسے ہی کچھ تیری امارت کا رعب پڑ گیا شاید۔"

"آئندہ مت کہنا ایسا دوستی دل سے ہوتی ہے دولت یا امارت سے نہیں محبت سے تعمیر ہوتے ہیں اور دوستی میں کلاس نہیں صرف سچائی اور خلوص ہوتا ہے سمجھے کچھ۔"

"مجھے فخر ہے اصل کہ میں تمہارا دوست ہوں۔"

"بیٹا ہر شخص ہم سے شرف ملاقات کر کے یہی کہتا ہے ہم تو ہیں ہی وی وی آئی پی۔"

"لیکن اس وی آئی پی کی صرف ایک لڑکی کے سامنے دال نہیں گلتی ہے نا۔" اس نے ہنستے ہوئے ملازم کے ہاتھ سے پلیٹیں پکڑیں پھر شاپنگ بیگ سے ٹفن نکال کر کیک اور رس ملائی پلیٹوں میں ڈالنے لگا اصل تکیے سے لگا اس جملے سے اپ سیٹ خاموش سا بیٹھا تعمان کو دیکھ رہا تھا۔

پھر کی گفتگو ایک بار پھر سے اس کی سماعت میں گونج رہی تھی اور وہ وہ آنسو جو تکیے پر بہہ گئے تھے وہ آنسو پھر سے اس کی پلکوں تک ہلکورے لے رہے تھے بمشکل سے خود کو نارمل کیا تھا اس نے مگر نعمان نے ابھی میں اس کے اتنے گہرے گھاؤ کو کھرچ ڈالا تھا۔

"لیجیے اب خوش نصیبی بھابھی اور اماں نے کہا تھا اپنے ہاتھ سے کھلا کر آنا اور یہ کہ یہ بھی پوچھ لینا محترم کے مزاج شریف اب کیسے ہیں مزاج شریف مجھے تو ٹھیک لگتے ہیں اس کے کہوں گا صرف لمبی ڈرائیو سے جان بچائی تھی حضرت نے نوکر نہ ارے اصل کیا ہوا یہ اچانک۔" پلیٹ دیتے ہوئے پہلی بار اس نے اس کی طرف غور سے دیکھا وہ آنسو پلکوں سے امنڈ آئے تھے اصل بیڈ سے اٹھ کر اس کی طرف سے پشت کر کے کھڑا ہو گیا تھا۔

"اصل وات ہیپنڈ یار۔" اس نے بازو تھاما تو بس کا ہولے ہولے لرزتا جسم اس کے کاندھے سے لگا بے آواز رو رہا تھا اور نعمان اس کی تو جان پر بن گئی تھی آج تک اس نے اصل کو صرف قہقہے لگاتے دیکھا تھا مگر آج یہی اصل کتنی بے بسی سے رو رہا تھا۔

"کیا ہوا اصل۔۔۔ بتاؤ ناں یار ہم تو دوست ہیں نا۔" اس نے چونک کر اسے دیکھا پھر بدقت خود کو سنبھالا دونوں ہتھیلیوں سے آنکھیں رگڑیں پھر ہنسنے لگا۔

"تمہارے ہنسنے سے میرا سوال ختم نہیں ہو گا۔"

"آج کل پانی سے لکھنے کی مشق کر رہا ہوں۔" کہہ کر وہ پھر مسکرایا "دوستی تیری جان و دل لیکن جان من بات تو کچھ بھی نہیں تھی۔"

"پھر روئے کیوں تھے وہ بھی اتنی بے قراری سے۔"

"تیری شکل ہی ایسی ہے اچھا خاصا بندہ ملول ہو جائے ارے مذاق ایک طرف دراصل آج وہ پھر کو ذی ذی سے بات ہوئی تھی۔۔۔"

"پھر کیا کہا اس فتنہ پرداز نے؟۔"

"کیا کہنا تھا ہر قدم ہر موڑ پر جو کہتی ہے وہی کہا بہت سفاکی بہت تنفر سے مگر ہم بھی ہمت ہارنے والے نہیں۔"

"ہمت کے ابا آخر یونیورسٹی میں ذی ذی کے علاوہ بھی تو کتنی لڑکیاں ہیں پھر تجھے صرف وہ ہی کیوں نظر آتی ہے۔"

"اس لیے کہ ذی ذی میری۔۔۔" وہ ذرا سا رکا پھر مسکرایا "چھوڑ یار ذی ذی دل کی بہت اچھی لڑکی ہے اور ہاں آج بتا دوں کہ میرا اس کا وہ رشتہ نہیں جو تو سمجھ رہا ہے۔"

"مطلب۔۔۔؟۔" اس نے سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"بتاؤں گا تجھے سب سے پہلے بتاؤں گا لیکن اس وقت جب وہ بے وقوف لڑکی میری بات میرے سچ کو مان جائے گی۔" نعمان نے توجہ سے دیکھا پھر اچھے دوستوں کی طرح کاندھے اچکا دیے۔

"اریبولا کیک۔" پھر پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

"اب انہیں نوش بھی کر لو اماں بھیا بھابھی سب میرا انتظار کر رہے ہوں گے شہر کے حالات تو از رہے ہیں نا؟"

"جی ہاں اس لیے محترم نعمان احمد راؤ کو بادولت خود گھر چھوڑنے جائیں گے ہاں بھئی شکریہ بھی تو کہنا

بے بھابھی اور سویٹ سی اماں کو جنہیں میرا اتنا خیال ہے۔"

"کوئی نہیں میں بائیک پر آیا ہوں۔" فوراً "نفی میں گردن ہلائی لیکن امحل نے اس کی ایک نہ سنی
"بائیک یہیں چھوڑ دینا کل یونیورسٹی میں مل جائے گی تمہیں۔" سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس نے پلیٹ اس کی طرف بڑھادی۔

نعمان کو چھوڑ کر جب وہ اپنے بیڈ روم میں آیا تو وال کلاک میں تین بج رہے تھے جہاں ذرا سی تنہائی میسر آئی نعمان کے سامنے بہنے والے آنسو اسے پھر کچھ یاد دلا گئے۔

"کس قدر برا ہوا سارا بھرم ایک آنسو میں ڈوب گیا امحل ضیا بھی رو سکتا ہے کیا سوچتا ہو گا نعمان۔" کار کی چابی ٹیبل پر اچھال کر جوتوں سمیت بیڈ پر گر گیا۔ دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے اور چھت کو دیکھنے لگا جہاں نہ جانے کتنے ہی جانے انجانے منظر گھوم گئے۔

سب سے چھوٹا اور لاڈلا ہونے کی وجہ سے وہ پاپا کے ہر ٹور پر ان کے ساتھ رہتا تھا ماں کی محبت بھی باپ سے پانے کے لئے ان کے ساتھ ہی چپکا رہتا اور پھر ایسے ہی ایک دن پاپا نے کتنے سرپرائز نگ لہجے میں اسے ایک چھوٹے سے کالج میں لے جا کر ایک حسین سی خاتون کے سامنے جا کھڑا کیا تھا اور پھر کان میں گنگنانے والے انداز میں کہا تھا۔

"شی از یور نیو ماما امحل۔" اور اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ ان پر ڈال کر سوچا اسے حسد کرنا چاہیے چلانا چاہیے یا اپنی ماما کے سنگھاسن پر اس نئی مورت کو سجالینا چاہیے اور پھر شاید وہ جذباتی بچوں کی طرح پشت موڑ کر نکلنے ہی والا تھا کہ۔

"مجھے اگلی فلائٹ سے گھر بھجوا دیجئے پاپا۔" تو اچانک ایک نازک تتلی سی کم سن لڑکی اس کے سامنے آکھڑی ہوئی اور اس نے اتنا کم عمر ہونے کے باوجود پاپا کو گھورتے ہوئے سوچا تھا۔ "پاپا نے یہ سچ ہم سے اتنے دنوں تک چھپائے رکھا" پھر جانے کے لئے پلٹا تھا تو پاپا کے لبوں سے ادا ہونے والے جملے نے قدم

اٹھانے سے روک دیئے۔
"شی از یور سسٹر امحل۔"

"ذی ذی امحل از یور برادر۔" پاپا نے ذی ذی کا ہاتھ تھام کر اس کے قریب کیا تو وہ اس کے گھنگھریالے بالوں کو چھونے لگا۔

"کس قدر پیارے ہیں تمہارے بال بالکل باربی ڈول کی طرح اور یہ چوڑیاں اور یہ ڈریس کس قدر پیاری لگ رہی ہو ذی ذی۔" پہلی بار نام دہراتے ہوئے اس کی زبان لڑکھڑائی مگر قدم خود بخود گھر سے نکلنے پر رک گئے۔

"مجھے تمہاری جیسی ایک بہن کی بہت خواہش تھی لٹل ڈول گھر میں ہم سارے بھائی ہی ہیں بس اس لئے تمہاری جیسی ایک بہن کی شدید طلب تھی ہمیں۔" اور ذی ذی نے سنا تو اس بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

اور پھر جب بھی وہ پاپا کے ساتھ اس شہر آتا تو اس کی وجہ سے اس گھر میں ہی ٹھہرتا دونوں خوب مزے سے کھیلتے اور وہ بڑے تجسس سے سب بھائیوں کے بارے میں پوچھتی اس نے سب کی تصویریں لا کر دکھائی تھیں بڑے بھیا ایم کام کر رہے ہیں ہمایوں بھائی بی اے رمیز بھائی سیکنڈ ایئر میں ہیں اور نعمان بھائی فرسٹ ایئر میں اور رہا میں تو تمہاری طرح پانچویں کلاس اسکول جا رہا ہوں۔" وہ سب کے بارے میں تفصیل سے بتاتا۔

پاپا اور بھائیوں سے ملنے والی تمام رقم وہ ذی ذی کے لئے جیولری کپڑے اور جوتے چوڑیوں میں صرف کر دیتا چپکے چپکے اور جب بھی جاتا ذی ذی خوشی سے چیخ پڑتی۔

"امحل بھائی یہ لباس اس دن میں نے ایک بوتیک پہ دیکھا تھا مگر جلدی میں خرید نہیں سکی اچھا کیا کہ آپ لے آئے۔" وہ سنتا تو اس کا دل خوشی سے سرشار ہو جاتا۔

"محبت لگن سچی اور مخلص ہو تو ایسی ہی اتفاقات ہوتے ہیں۔" وہ اثبات میں سر ہلا دیتی اور محبت ان کے دلوں میں اور بڑھ جاتی لیکن پھر اچانک دادا جان کا

انتقال ہو گیا تو پاپا کی ذمہ داریاں اور بڑھ گئیں لیکن اس وقت بہت بڑا مسئلہ درپیش ہو گیا جب دادا جان کے وکیل نے وصیت سناتے ہوئے کہا۔

"تمام جائیداد مسٹر ضیا خاکوانی کو اس وقت ملے گی جب وہ یہ ثابت کر دیں کہ عافیہ سلطان کے بعد انہوں نے کسی سے شادی نہیں کی پانچوں بچوں کے علاوہ کوئی اولاد نہیں ان کی لیکن اگر اس کے خلاف ثبوت نکلے تو وکیل کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تمام جائیداد حکومت کو ٹرانسفر کر دے۔"

شاید دادا جان اس طرح بچوں کا مستقبل محفوظ اور سوتیلی ماں کے مظالم سے بچوں کو بچالینا چاہتے تھے اور ساری جائیداد حکومت کو ٹرانسفر کرنے والی شق تو یہ محض دھمکی تھی جو وصیت سے الگ کاغذ پر ان کے دستخط کے ساتھ وکیل کے پاس محفوظ تھا سو پاپا کو جب تمام باتیں معلوم ہوئیں تو ان پر خود غرضی غالب آگئی۔

امحل نے لب ہلانے کی کوشش کی مگر پاپا نے لب اپنے پانچ بیٹوں کے مستقبل کے لئے وہ ایک بچی قربان کر دینے اس یقین کے ساتھ کہ وہ کاغذاتی طور پر ثابت کر دیں گے کہ وہ ابھی تک عافیہ کے علاوہ کسی طرف نگاہ اٹھانے قدم بڑھانے کے مرتکب نہیں ہوئے لیکن بہرحال بیوی بچی کی تمام ذمہ داریاں اٹھائیں گے۔

اور ایسے موقع پر انہوں نے اپنا راز داں اپنے سب سے چھوٹے بھائی ایاز خاکوانی کو بنایا جو اپنی کاہلیوں کی وجہ سے اس کے پاپا کے ایک طرح سے زر خرید غلام تھے یا شاید اس دولت کے جو اس سے پاپا کا پچھلا حساب مانگے انہیں چیک کی صورت میں دیتے تھے سو ایاز خاں نے مشورہ دیا کہ وہ خاموشی سے بجیہ کو طلاق کے کاغذات دے کر بچی کو کسی ہاسٹل میں داخل کر دیں۔

پاپا نے یہ تجویز رد کر دی کہ وہ بہرحال بجیہ سے بہت محبت کرتے تھے ایاز نے ایک مشورہ اور دیا کہ قانونی طور پر بجیہ کو ہی سونپ دی جائے لیکن اس معاہدے کے ساتھ کہ وہ کبھی ان کی راہ میں نہیں آئیں

گی۔ پاپا نے یہ تجاویز سنیں تو گھبرا گئے ڈبل مائنڈڈ ہو گئے۔

بچی اور بیوی کی محبت سے بھی دامن نہیں چھڑایا جا سکتا تھا اور بیٹوں کو ان کے حق سے محروم بھی ہوتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ سو انہوں نے پہلی بار اپنے اس راز کے سب سے بڑے گواہ امحل ضیا کو بلایا اور دونوں تجاویز اس کے سامنے رکھیں اور مزید کسی راہ کی نشاندہی چاہی اور وہ اٹھارہ برس کا امحل ضیا بردباری سے ان کے سامنے اپنی تجویز رکھ کے چپ بیٹھ گیا پاپا نے ہر طرح سے غور کیا کچھ سقم نہ پایا تو خوشی سے اسے سینے سے لگا لیا۔

"ایکسیلنٹ امحل مجھے تم پر فخر ہے یہ تجویز قابل عمل ہے میں آج ہی سے ان دونوں کا ویزا لینے کی کوشش کروں گا امریکہ میں میرے چند گہرے دوست بھی ہیں پھر وہاں بجیہ کو کوئی تکلیف بھی نہ ہو گی کیونکہ بجیہ کے تمام رشتہ دار بھی وہیں ہیں بچی کی طرف سے بھی میں مطمئن رہوں گا بجیہ کی تربیت پر مجھے پورا بھروسہ ہے اور پھر جب میرا دل گھبرائے گا مل آؤں گا اپنی بچی سے امحل یور آر گریٹ" پاپا کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

پاپا نے تمام پروگرام تجویز کے مطابق طے بھی کر لیے تھے مگر قسمت کی خرابی کے اس سفر پہ جانے سے صرف ایک ہفتے پہلے بجیہ ماما کی اچانک برین ہیمرج کی وجہ سے ڈیتھ ہو گئی تو تمام پروگرام تہ وبالا ہو گیا۔

لیکن پھر بھی کافی سوچ بچار کے بعد پاپا نے اپنے مینیجر جو بجیہ ماما کے بھی قریبی دوست تھے زیاد احسان کو ذی ذی کا سرپرست بنا دیا ایک خطیر رقم بینک میں ذی ذی کے نام ڈپازٹ کروا دی۔ اور قانونی مشکلات سے بچنے کے لئے ذی ذی کے تمام تعلیمی ریکارڈ میں زیاد کو ذی ذی کا والد ظاہر کر کے اس مسئلے سے بھی نمٹ لیا گیا دن خیریت سے گزر رہے تھے کہ کچھ عرصہ گزرا پاپا بہت مطمئن تھے کہ ایاز انکل نے نیا شوشہ چھوڑا۔

"اگر زیاد ذی ذی کے نام کی وہ رقم جو بینک میں ہے

اس پر قبضہ کرکے زی زی ضیا کو مار ڈالے یا تمام دولت سمیٹ کر بھاگ جائے تو۔۔۔؟" پاپا نے سنا تو مضطرب ہو گئے اس نے انہیں ہر تاویل سے مطمئن کرنا چاہا زیاد احسان کی ایمانداری وفاداری پر طویل بحثیں کیں لیکن کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہوا پاپا نے پھر دوبارہ اس موضوع پر گفتگو نہیں کی لیکن اس خاموشی کا عقدہ بعد میں حل ہو گیا۔

وہ زی زی کے گھر بہت دن بعد گیا تھا مصروفیت ہی اتنی رہی گھر میں داخل ہوا تو غیر معمولی خاموشی محسوس کی آگے بڑھا تو دیکھا زیاد انکل وہیل چیئر پر بیٹھے تھے اور زی زی انہیں سوپ پلا رہی تھی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"زی زی کیا ہوا یہ؟" اس نے بڑھ کر حیرت سے پوچھا۔

"آئی ہیٹ یو میں تم سب سے نفرت کرتی ہوں" وہ اسے دیکھتے ہی چلائی۔

"مگر زی زی۔" اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن وہ کچھ سنے بغیر کمرے سے نکل آئی واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں اپنی تعلیمی اسناد تھیں۔

"یہ دیکھو ہاں اس نام کو یہ ہے میرا باپ سو ایمل ضیا میرا تم سے یا تمہارے پاپا جنہیں میں بھی غلطی سے اپنا باپ سمجھتی تھی ان سے کوئی تعلق کوئی رشتہ نہیں مجھے ضیا خاکوانی فیملی سے نفرت ہے تمہارے پاپا میری ماں کے قاتل ہیں میرے بابا جیسے زیاد انکل کی زندگی کے قاتل ہیں کہہ دینا ان سے کہ دولت کے بل پر چند باڈی گارڈز کے زور پر انہوں نے انکل کو معذور ضرور کر دیا ہے مگر ذہنی طور پر ختم نہیں کر سکے۔

اور ہاں یہ بھی کہنا کہ زین زیاد درحقیقت اب شعلہ جوالا ہے جو اس خاندان کو راکھ کرکے ہی دم لے گی تم جان لو گے ایمل ضیا کہ زین زیاد کیا چیز تھی میں دکھاؤں گی تمہیں کہ میں کیا ہوں" سینے پر زور سے ہاتھ مارتی دھکیلتی وہ اسے گیٹ سے باہر نکالتی چلی گئی۔

اور پھر اپنے پاپا کے رازوں کا امین ایمل ضیا زی زی کا سایا بنا رہتا وہ زیاد انکل کے ذریعے اس کے معمولات کی خبر رکھتا چپکے سے انکل زیاد کے نام رمیز بھائی کے اخبار میں کالم لکھنے کے اعزازیے کے طور پر ہر ماہ ایک خطیر رقم منی آرڈر کر دیتا۔

گھر میں اس کے بعد اس کمائی سے صرف شرجیل بھائی واقف تھے انہیں اس کمائی کا علم پاپا کے تجوری بنک لاکر سے ملنے والے کاغذات سے ہوا تھا جن کا علم پاپا کے وکیل تک کو نہیں تھا سو ایمل وہ اس راز کو چھپائے اس یونیورسٹی میں آ پہنچا تھا موقعہ ملتے ہی اس کا دل صاف کرنے کی بھی کوشش کرتا تھا لیکن زی زی بہت سخت دل ہو گئی تھی کوئی تاویل کوئی جملہ حتیٰ کہ اس کی پر خلوص محبت بھی اس کے دل پر کوئی اثر نہ کرتی تھی جب کہ اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ وہ اپنے پاپا کی اس بیٹی کو معاشرے میں اس کا ہر حق دلا کر رہے گا وہ حق جو پاپا نے بیٹوں کے اچھے مستقبل کے عوض اس سے چھین لیا تھا مگر زی زی کو اس کی ان باتوں پر یقین نہیں تھا بلکہ چڑ تھی اسے ان باتوں سے۔

دردِ بانٹ لینے کی جس سے تھی مجھے امید
میرا دل دکھانے پر بس وہی مقرر ہے

سوچتے سوچتے یہ شعر دل و دماغ میں گونجا تو وہ بے اختیارانہ چونکا اردگرد دیکھا ٹیبل لیمپ کی روشنی میں پاپا کی تصویر عجیب اداس سی لگ رہی تھی۔ رخساروں پر بہتے آنسو محسوس کرکے اسے احساس ہوا کہ وہ بہت دیر سے بے آواز بے سبب روئے گیا تھا تکیہ اس کے آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

"بعض یادیں ہم انسانوں کو کس قدر نم آنکھ موسموں کے ہمراہ ملتی ہیں مگر ہماری زندگیوں اور ہمارے لیے کتنی اہمیت رکھتی ہیں آکسیجن کی طرح کس قدر ضروری ہوتی ہیں یہ پاپا مجھے یاد ہیں۔" سر اٹھا کر اس نے ایک بار پھر چھت کو گھورا پھر آنکھیں بند کر لیں۔

صبح یونیورسٹی پہنچا تو سب سے پہلے ہی نظر زی زی اور شیرازی کی طرف جا گئی زی زی شیرازی سے اردو ڈیپارٹمنٹ کے سامنے ستون سے لگی باتیں کر رہی تھی اس نے دیکھا تو خود پر قابو پاتا نظر جھکائے آگے بڑھنے لگا مگر ابھی دو قدم بھی نہ چلا ہوگا کہ شیرازی کی آواز سنائی دی۔

"سنیے مسٹر ایمل ضیا شاید یہ آپ کا رومال گر گیا" اس نے ایک مردانہ رومال اس کی نگاہ کے سامنے لہرایا تو وہ گہری نظروں سے زی زی کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"ایمل ضیا اپنی ہر چیز بہت سنبھال کر بہت دھیان اور احتیاط سے رکھتا ہے مسٹر شیرازی آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے جیب سے پرس نکالا رومال نکال کر جھٹکا اور غصیلی نگاہ زی زی پر ڈالتا آگے بڑھ گیا۔

"آیا کہیں سے خود کو ہیرو سمجھنے والا جانے بڑا زعم ہے اسے ہر لڑکی کو اپنی ملکیت سمجھنے لگتا ہے راجہ اندر کہیں کا۔" شیرازی زی زی کی طرف دیکھ کر رغبت لہجے میں بولا تو زی زی نے بے ساختہ اپنی گود میں رکھی کتاب کھول لی۔

"سوری مسٹر شیرازی آج میری کچھ مصروفیت زیادہ [illegible]"

"کوئی بات نہیں مس زیاد۔" اس نے مہذب بننے کی کوشش کی مگر اس وقت زی زی کا دل برا ہو رہا تھا کوئی تیخ سا جملہ ایمل ضیا کی طرف اچھالنے کو بے قرار ہو رہا تھا۔ ایسا فقرہ کہ ایمل ضیا کے چہرے پر اذیت ناک لکیریں کھینچ جائیں دراڑیں پڑ جائیں اور وہ اس لمحہ خوش کن سے حظ اٹھائے۔

یکلخت اسے گفٹ کا خیال آیا تو لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ مناسب موقعہ کا انتظار کرنے لگی پھر ایک جگہ نعمان اور ایمل یکجا ہو گئے تو اس کے قدم بے ساختہ اس کی طرف اٹھ گئے۔ ایمل خلاف معمول خاموش اور سنجیدہ تھا جب کہ نعمان راؤ اسے فریش کرنے کو لطیفے سنا رہا تھا۔

"ہیلو مسٹر ایمل ضیا۔" وہ قریب آکر چبا چبا کر بولی ایمل نے نگاہ اٹھائی اور بنا کچھ کہے اپنا دایاں ہاتھ سامنے کر دیا۔

"لاؤ میں جب سے تمہارے اسی تیر کا منتظر تھا جسے تمہیں میرا تحفہ پسند نہیں آیا تھا اور ناپسندیدہ چیز سنبھال کر رکھنا تمہیں پسند نہیں مگر زی زی تمہاری دی ہر چیز آج تک میری الماریوں میں محفوظ ہے اس لئے کہ وہ تم نے دی تھی۔

اور مجھے تمہاری طرف سے ملنے والی ہر چیز متاع جاں کی طرح عزیز ہے چاہے وہ کوئی دکھ ہو کوئی چبھتا ہوا جملہ ہو یا۔۔۔" یکلخت اس کی آواز بھرائی تو زی زی کا دل اندر سے ہولے ہولے لرزا اس کی آنکھ میں اس نے پہلی بار آنسو دیکھے تھے لیکن اگر جانتی تو پتا چلتا اسے کہ اس قہقہہ لگاتے شخص کا تو ہر لمحہ آنسو کی طرح بیتا تھا مسکراہٹ میں چھپا لیکن ٹپکتے آنسو کی طرح لرزیدہ۔

زی زی نے ایک دو نہیں کئی بار اسے دیکھا پھر مزید کچھ کہے بنا اپنے قدم دوسری طرف موڑ دیے اور نعمان نے چلا کر کہا۔

"یہ کن تحائف اور کن دکھوں کا ذکر ہو رہا تھا ایمل کے بچے ہم تو بچپن کے ساتھی ہیں نا لیکن میں تو زی زی نام کی لڑکی کے اس ماضی کو بالکل نہیں جانتا تھا باتوں سے تو لگتا ہے تم ایک دوسرے کے بہت پرانے مزاج آشنا اور شناسا ہو۔"

"ہاں شاید مگر وہ ماضی تھا یہ حال ہے اور حال کیا ہے سوائے اس کی نفرت کے کچھ نہیں۔" آنسو پی کر اس نے ریسٹ واچ کو دیکھا پھر بڑبڑایا۔ "ارے اٹھو سائیکالوجی کی کلاس مس ہو جائے گی نعمان" وہ اس کا ہاتھ تھامے سیڑھیاں اترتا سائیکالوجی ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھتا گیا۔

شرجیل بھائی لنچ کے لئے ریسٹ روم کی طرف بڑھنے ہی لگے تھے کہ وہ دروازہ پر دستک دیتا اندر چلا آیا تھکا تھکا بے قرار مضطرب سا۔

"کیا ہوا ایمل جان کیا آج پھر زی زی سے جھگڑا ہوا تمہارا۔"

"جھگڑا اب ہم میں ایسا تعلق کہاں رہا ہے بھائی کہ ہم جھگڑیں اور ایک دوسرے کو منائیں پاپا کے ایک فیصلے نے بھائی۔۔۔"

"یہ فیصلہ بابا کا نہیں تھا ایمل میں نے آج تک تمہیں یہ بات نہیں بتائی لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ فیصلہ پاپا کا نہیں تھا۔

چھوٹی ماما کو برین ہیمرج صرف اس لئے ہوا تھا کہ

انہیں ایاز انکل نے طلاق کے کاغذات سائن کرنے کو دیئے تھے اور کہا تھا پاپا دولت کی خاطر یہ چاہتے ہیں کہ اب وہ ان سے کوئی تعلق نہ رکھیں بس ماما کی بات دل پر لے گئیں۔ جو برین ہیمرج پر ختم ہوا ذی ذی کے پاس ابھی تک وہ کاغذات سائن ہوئے پڑے ہیں جن پر انکل نے پاپا کے نام کے جعلی دستخط کئے تھے۔

"لیکن بہر حال مجرم تو پاپا بھی تھے زیاد انکل والے سلسلے میں۔" اس نے صوفے سے سر ٹکا دیا دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے سر دبانے لگا۔

"بہت اپ سیٹ ہو اصل!؟" شرجیل بھائی نے اسے سینے سے لگا لیا تو اس کی آواز بھرا گئی۔

"ذی ذی کی وجہ سے پاپا کی ذی ذی مجھ سے نفرت کرتی ہے بھائی۔"

"نفرت تو وہ ہم سب سے کرتی ہے اصل اور سوچو تو اس کی نفرت بے جا بھی نہیں۔"

"ساری دنیا سے کرے نفرت مگر مجھ سے کیوں ایسے لہجے میں بات کرتی ہے ہم بھی اچھے دوست بھی تو رہے ہیں ناں شرجیل بھائی۔"

"ہاں شاید اس لئے تمہیں اس کی نفرت زیادہ ہرٹ کرتی ہے۔" انہوں نے پھر سے مطمئن کرنا چاہا مگر اصل کا دل مانا ہی نہیں۔

"مجھے ذی ذی کی بے۔ نفرت بھائی. کسی دن میں۔" وہ کہتے کہتے رکا پھر آنکھ میں آنے والے آنسو پیچھے دھکیلے شرجیل بھیا کے چہرے سے اضطراب جھلک رہا تھا سو وہ اپنا جملہ ادھورا چھوڑ کر اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ اور بہت جلد کامیاب بھی ہو گیا تھا کہ اچانک رحمان جمیل کی ملاقات اس کے ذہن میں کلبلائی اور وہ صرف اس سوال کو جو رحمان جمیل نے اس سے کیا تھا اور جس پر وہ صرف سوچتا رہ گیا تھا آج شرجیل بھائی کو فارغ دیکھ کر ان سے جواب کے لئے بے چین ہونے لگا۔

"کیا دادا جان رحمان کے دادا افضل صاحب کی فرم میں صرف مینجر تھے شرجی بھائی۔" شرجیل بھائی نے سوال سنا تو سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"یہ سوال کیوں آیا تمہارے ذہن میں۔"

"صرف اس لئے کہ میں رحمان بھائی سے ملا تھا پہلے دن پہلے میں سمجھتا تھا وہ آپ کے بزنس حریف ہونے کی وجہ سے مجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں لیکن آپ۔"

"نقصان پہنچانا چاہتے ہیں کیا مطلب کیا کوئی اٹیک ہوا تھا تم پر۔"

"اسے چھوڑیئے کہ کیا ہوا تھا یہ بتایئے کہ جو رحمان بھائی کہتے ہیں کیا وہ درست ہے۔"

"ہاں لیکن صرف اس حد تک کہ رحمان کے پاپا نے ہمارے دادا جان کو اپنے ایماندار اور سچے مینجر کی حیثیت سے کاروبار شروع کرنے کے لئے سرمایہ دیا تھا لیکن اس سرمائے سے جو دولت کمائی جو بزنس بڑھایا وہ سب دادا جان کی ذہنی ذکاوت اور محنت شاقہ کا نتیجہ ہے۔"

"لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ وہ سر افضل کے ہر کانٹریکٹ کو ان سے توڑتے چلے گئے۔"

"یہ بزنس کا پہلا اصول ہے ہر ذہین بزنس مین بڑی ڈیل کرنے کے لئے ایسی ہی کوششیں کرتا ہے سو اگر دادا جان نے ایسا کیا اور چند لوگ صرف ان ہی سے لین دین کرنے لگے تو اس میں آخر برائی کیا ہے۔"

"برائی شرجی بھائی کیا یہ برائی نہیں کہ سر افضل دادا کی اس روش کی وجہ سے دیوالیہ ہو گئے۔ ان کا سفر وہیں ختم ہوا جہاں سے انہوں نے ابتدا کی تھی اور پھر دادا جان نے ان کی کسی طرح کی مدد بھی کرنا مناسب نہ سمجھا ان کی تمام پراپرٹی کارخانے سیل ہو گئے۔ مگر دادا جان نے پلٹ کر اپنے محسن کی طرف نہیں دیکھا ہاتھ تھام کر اس کٹھن مرحلے سے نکالنے کی کوئی کوشش نہیں کی کیا یہ انسانیت تھی شرجی بھائی بزنس دولت پر انہوں نے انسانیت کو بیچ ڈالا اور پھر پاپا انہوں نے بھی۔" اصل یکلخت کہتے کہتے چپ ہو گیا تو شرجیل بھائی نے نرمی سے پوچھا۔

"اصل اب تم کیا چاہتے جو ہو گیا اس کا اب کیا کیا جاسکتا ہے۔"

"آپ اگر چاہیں تو بہت کچھ ہو سکتا ہے شرجی بھائی ابھی بھی پرانے زخموں پر مرہم رکھا جاسکتا ہے مداوا ہو سکتا ہے پرانی لغزشوں کا۔"

"دادا جان نے سر افضل کی جو فرم اور پراپرٹی بولی دے کر سستے داموں خریدی تھیں وہ اگر انہیں لوٹا دی جائیں تو۔"

"لیکن اصل دادا جان اور ان کے بعد پاپا نے اس پراپرٹی اور بزنس کو بہت آگے تک پہنچایا ہے بزنس ٹائیکون بن جانا اتنا آسان نہیں ہر کام ڈسپلن میں اچھا لگتا ہے یہ کوئی فلم یا ڈرامہ نہیں جس میں ہر شخص دریا دل بن کر دعائیں محبتیں سمیٹتا پھرے۔ تمہارا مقصد صرف ان زخموں کا مداوا کرنا ہے ناں تو کل سویرے تم مجھے آئندہ رحمان کی راہ میں حریف نہیں دیکھو گے اور نہ ہی میں اس کے کسی کلائنٹ کو توڑنے کی کوشش کروں گا اس کے لئے مشکلات پیدا کرنے سے بھی اجتناب کروں گا لیکن مکمل بزنس کسی کے حوالے کر دینا ممکن ہے یار۔"

"مجھے آپ پر فخر ہے شرجی بھائی۔" اس نے بڑھ کر ان کی چوڑی پیشانی چوم لی۔

"کل ایک مشترکہ بزنس میٹنگ ہے پورے ایک کروڑ کا پروجیکٹ ہے پرافٹ کی مد عام اندازے سے دو کروڑ بھی ہے لیکن میں صرف تمہاری خواہش پر اس ڈیل سے دستبردار ہوتا ہوں اور مجھے یقین ہے یہ ڈیل رحمان کے لئے ایک سنگ میل ثابت ہوگی رحمان جمیل کے علاوہ میری نظر میں کوئی اور اتنی ذہنی اپروچ نہیں رکھتا۔" انہوں نے فوراً ہی تجدید دوستی کے لئے پہلا قدم بھی بڑھا دیا وفور جذبات سے اس کا چہرہ کھل گیا۔

اور پھر دوسرے دن کی صبح ایک نیا عہد نئی تاریخ لائی دو نسلوں کے بعد آج تیسری نسل محبت کا پرچم لہرا رہی تھی شرجیل بھیا رحمان جمیل بغل گیر تھے اور اصل نے کانٹریکٹ کے ملنے پر انہیں وش کر رہا تھا۔

"ہمیشہ ایسے ہی محبت کے نئے باب رقم کرتے رہیے گا اب دولت تو آنی جانی ہوتی ہے آج آپ کے پاس کل ہمارے پاس اور پرسوں کسی اور کے پاس دولت کا کوئی اصول اور وفا نہیں ہوتی سوائے محبت کے کوئی سودا ایسا نہیں جس میں اگر نقصان بھی ہو جائے تو انسان پھر بھی دیوالیہ نہیں ہوتا یعنی نفع نقصان سے بالاتر ہوتے ہیں دلوں کے سودے۔"

"یہ بہت بڑا انسان ہے۔" رحمان بھائی نے شرجیل بھائی سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تعریف میری نظر میں مخاطب کو بے وقوف بنانے کا ایک بہت پرانا حربہ ہے بقول ہماری تھنکنگ تعریف و تنقید ہمیں وقت پر چھوڑ دینی چاہیے ہمیں صرف کام کرنا چاہیے ہم کیسے تھے ہم نے کیا کیا اس کا فیصلہ تاریخ اور وقت کو کرنے دینا چاہیے کہ انسان فانی ہے اور اس کی انتہا بھی مشت غبار جب کہ وقت ازل اور ابد کا سچ ہے سو اس کا فیصلہ بھی انمٹ نقش کی طرح اٹل ہے اچھا ہو یا برا۔" دھیمے لہجے میں بات کر تا وہ ان کے دلوں میں اترتا چلا گیا۔

"پہلی نظر میں تم بہت لاابالی دکھائی دیتے ہو مگر اصل یو آر ویری جینئس بہت دو ٹوک ہے تمہاری سوچ تمہارا نظریہ مجھے فخر ہے تم پر۔" رحمان جمیل نے کہا اور اس کے ہاتھ پر اعتماد سے ہاتھ رکھا تو وہ مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"اس وقت ایک دوست سے ملنے جانا ہے۔" وہ سب سے اجازت لیتا سب سے ہاتھ ملاتا ہوٹل سے نکلتا چلا گیا اس کا رخ ذی ذی کے گھر کی طرف تھا اس کے بارے میں سوچتا وہ ذی ذی کے گھر کے سامنے آرکا لیکن ابھی اس نے گیٹ کی طرف قدم بھی نہ بڑھائے تھے کہ شیرازی کو گھر سے نکلتے دیکھ کر اس کا خون غصے سے کھول اٹھا اس کی کار آگے بڑھ گئی تو وہ اندر گھستا چلا گیا۔

"یہ شیرازی یہاں کیوں آیا تھا؟" نبیل سے برتن اٹھاتی ذی ذی اس کی تیز آواز پر پلٹی زیاد انکل کے چہرے پر شفقت ملائمت پھیل گئی لیکن اس سے پہلے کہ وہ اصل وجہ بتا کر اس کا جلال کم کرتے ذی ذی خود ہی تیزی سے بول پڑی۔

"میرا گھر ہے اسے میں اور بابا مل کر چلاتے ہیں اس لئے کسی باہر کے اجنبی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ میرے گھر میں آ کر مجھ سے ہی سوال جواب کرے شیرازی ان کا فرینڈ وہ یہاں آتا تھا آتا ہے اور

جب چاہے آسکتا ہے آپ کو کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔"

"کیوں نہیں ہونا چاہیے تم نے حرف غلط کی طرح ہمیں مٹایا ہوگا ہم نے نہیں مس زین ضیا تم چاہو بھی تو اس سچ کو نہیں جھٹلا سکتیں کہ تم میری بہن ہو اور بہت عزیز ہو مجھے۔"

"ہا عزیز بہن۔ چھوڑیے مسٹر اہمل ضیا محبت وفا کے یہ خوش کن لفظ اور جذبے آپ کی نوک زبان سے ادا ہوتے اچھے نہیں لگتے۔" وہ چیزیں اٹھا کر کچن کی طرف بڑھ گئی تو زیاد انکل نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"بابا صاحب شیرازی یہاں صرف آج ہی آیا تھا اس کے پاپا کے آفس میں کوئی ویکنسی ہے ذی ذی کا آخری سال ہے یونیورسٹی میں اس لئے وہ ذی ذی بیٹا کے لئے اپنے اس آفس جاب کی آفر لے کر آیا تھا ابھی فیصلہ نہیں ہوا آپ جو کہیں میں وہی فیصلہ دوں گا۔"

"میرا فیصلہ؟۔ زیاد انکل ذی ذی کو تو میرے ہر فیصلے ہر بات سے نفرت ہے پھر بھلا وہ میرا کہا کیوں ماننے لگی لیکن اسے بتا دیجئے کہ شیرازی بہت برا انسان ہے۔"

"ہے برا انسان لیکن اہمل ضیا تم سے بہت کم کیونکہ وہ جیسا ہے اسی طرح دکھاتا ہے خود کو تمہاری طرح روپ بدل کر ماسک لگا کر لوگوں کو نہیں لوٹتا۔"

"انکل دیکھ رہے ہیں آپ کس قدر ہرٹ کرتی ہے یہ مجھے" مگر اس سے پہلے کہ انکل زیاد کوئی حرف تسلی مرہم کی طرح رکھتے وہ چلنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ایک قدم بڑھایا پھر واپس پلٹ کر اس کے بالوں کو ہولے سے چھوا اور کہا۔

"ذی ذی بچپن کی طرح تمہارے بال آج بھی بہت سلکی اور بہت نازک ہیں مگر تمہارا دل بہت سخت ہو چکا ہے اتنا کہ اس پر کوئی نا دلیل کوئی وکیل کوئی محبت اثر نہیں کرتی لیکن پھر بھی ذی ذی جب بھی تمہیں میری یا اپنے بھائیوں میں سے کسی کی بھی ضرورت محسوس ہو تو پکارنا ضرور ہائی گاڈ ہمیشہ ہم سب کو اپنے لئے دیدہ دل فرش راہ کئے پاؤ گی۔" ذی ذی نے بنا کچھ کہے نخوت سے پشت موڑی تو انکل زیاد کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ وہ خاموشی سے باہر نکل آیا۔

*_*_*

ان کے امتحانات ختم ہو گئے مگر ذی ذی نے اپنا رویہ نہ بدلا بلکہ محض اہمل کو دکھ دینے میں وہ شیرازی سے اور کلوز ہونے کی کوشش کرتی یہاں تک کہ اس کی مخالفت میں وہ انکل زیاد کو ناراض کر کے یونیورسٹی کے بعد شیرازی کے پاپا کا آفس جوائن کر بیٹھی رامین نے اسے یہ خبر سنائی تو وہ چلا پڑا۔

"تمہاری یہ دوست انسانوں والی زبان کیوں نہیں سمجھتی بہت بری طرح پیش آؤں گا میں۔" رامین نے اس کا غصہ دیکھا تو گھبرا گئی اور نعمان سے پوچھنے لگی۔

"اہمل اس قدر حساس کیوں ہے ذی ذی کے معاملے میں۔" نعمان کو خود پتا نہیں تھا تو کیا بتاتا سو صرف کندھے اچکا کر رہ گیا اور اہمل نے اپنے ہر عمل کا رد عمل صرف نفرت کو دیکھا تو چپ سادھ لی رامین نے یونیورسٹی کے بعد شرجیل بھائی کے دفتر میں بحیثیت سیکریٹری جاب کر لی تھی۔

ذی ذی کی پروموشن ہوئی تھی شیرازی اب بھی اس سے ملتا تھا بلکہ اب تو وہ کچھ زیادہ ہی فری ہو جایا کرتا تھا اور وہ باس کے بیٹے کی حیثیت سے کچھ نہ کہہ پاتی تمام تر تلخی دھری رہ جاتی۔

بلکہ کبھی کبھی دل کے کسی گوشے میں یہ خیال جڑ پکڑنے لگتا کاش ایسے میں کہیں سے اہمل بھائیوں والا حق جتاتا دندناتا ہوا دفتر میں داخل ہو اور شیرازی کو کالر سے پکڑ کر دفتر کی پانچویں منزل سے نیچے پھینک دے اور اس شیرازی سے جان چھوٹے۔ لیکن وہ انا اور نفرت جو بھی اس کا کیا ہوا سو وہ اپنے ان دلی جذبات کو دل میں رکھے مصروف رہتی۔

مگر دفتر کے ماحول میں اس نے کچھ عجیب سی پراسراریت کو محسوس کر ہی لیا رامین بھی بہت مصروف تھی سو وہ بے انتہا ڈسٹرب تھی کئی دنوں تک سوچ بچار کرنے کے بعد وہ چھٹی والے روز رامین سے مشورہ لینے کے لئے چل پڑی۔

لیکن وہ ابھی ڈرائنگ روم کے باہر ہی کھڑی تھی اندر داخل ہونے کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ اس کی سماعت میں بے شمار جانی پہچانی آوازیں گونجیں۔

عامر، میز اور شرجیل بھیا سب ڈرائنگ روم میں موجود تھے معاملہ تھا رامین کے تعلق کو رشتے داری میں بدلنے کا ناصر بھائی جو بقول اہمل کے اس وبائی نکاح کی زد سے بچ گئے تھے سب کو ان کی خیریت ملنے لگی تھی۔

اس لیے شرجیل بھائی نے رامین کی عادات و اطوار اور خود اہمل کی ذاتی خواہش اور ناصر بھائی کی پسندیدگی کو دیکھتے ہوئے اسے ہمیشہ کے لئے اپنے گھر کو سنوارنے والی منتظمہ کے طور پر قبول کر لیا تھا اور آج اس کے لئے رشتہ لے کر آئے تھے رامین کے گھر میں اس کے انکل ہی تھے جو اس رشتے کے لئے تیار تھے صرف رامین سے پوچھنا باقی تھا سو اہمل دوست بنا اس کے کمرے میں جا کھڑا ہوا۔

"ناصر بھائی کے ساتھ پر تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ڈی ایس پی تنی ہیں معقول تنخواہ اور شرافت نجابت پر تم آنکھ بند کر کے یقین کر سکتی ہو کہو کوئی اعتراض تو نہیں۔"

"اہمل ذی ذی۔۔۔ وہ اس رشتہ پر خوش نہیں ہوگی میری بچپن کی دوست ہے اگر وہ ناراض ہوگئی تو۔۔۔" نیم رضامندی دے کر اس نے خدشہ ظاہر کیا۔

"ذی ذی۔۔۔ اسے ساری دنیا سے ناراض ہونے کے علاوہ آتا ہی کیا ہے اب آخر کوئی کب تک کسی کے لئے اپنی خوشیاں اور وقت اور جذبات تیاگ دے ذی ذی کو چھوڑو کوئی اور دوست بنا لینا بلکہ میں نے سوچا ہے چاروں بھائیوں کی ایک ساتھ ہی رخصتی کرواؤں تاکہ تم چاروں مل کر مجھ گلفام کے لئے ایک حور پری ڈھونڈ سکو۔"

"مگر پھر بھی وہ ذی ذی ہے اہمل بھائی۔"

"ایک تو تم پر ذی ذی سر سامی کیفیت کی طرح چھائی ہوئی ہے اچھا سنو میں اسے پھر سے منانے کی کوشش کروں گا۔" وہ باہر نکلا سب کو اس کے فیصلے سے آگاہ کیا پھر مبارکباد سمیٹتا وہ کاریڈور میں آیا تو ذی ذی کے مخصوص پرفیوم کی مہک سونگھ کر اس کے قدم وہیں تھم گئے۔

"تو وہ بے وقوف لڑکی یہاں تک آئی تھی۔" وہ سوچ کر مسکرا دیا۔ پھر جس دن بات پکی ہوئی اس دن وہ مٹھائی گلدستے سمیت گھر پہنچا انکل زیاد نے سنا تو بے پناہ خوش ہوئے مگر وہ خاموش بیٹھی رہی۔

"ذی ذی تمہیں خوشی نہیں ہوئی۔"

"دشمنوں کی کسی خوشی پر خوش ہونا چہ معنی دارد۔"

"سنا ہے دشمن بننا بھی کم ظرف کا کام ہے اور کسی کی خوشی میں خوش ہونا تو اس سے بھی بڑھ کر کم ظرف کا کام لیکن سنو ذی ذی تمہیں نہ دوست بننے کا سلیقہ ہے نہ دشمن بننے کا۔"

"مجھے تمہاری رائے کی قطعاً ضرورت نہیں میں جیسی ہوں اپنے لیے بہتر ہوں۔"

"یہی تو خرابی ہے تم میں تمہیں اپنی غلطیوں کا ادراک ہے لیکن تم خود کو بدل نہیں سکتیں یہاں تک کہ تمہارے چہرے سے اصل تاثرات بھی نہیں چھپتے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم اندر سے محبت رکھتی ہو ظاہر سے یہ ثابت کرتی ہو کہ نفرت تمہارا اوڑھنا بچھونا ہے نمبر دو یہ کہ آج کل تم کسی معاملے میں بہت اپ سیٹ ہو کسی اپنے سے مدد چاہتی ہو شاید کسی بہت اہم معاملے میں لیکن وہی زعم خودی لڑکی سدھر جاؤ ورنہ ایک دن پچھتاؤ گی۔"

"پچھتانے کا مجھے بہت پرانا تجربہ ہے مسٹر اصل آپ میرے لیے فکر مند نہ ہوا کریں۔"

"فکر مند نہ ہوا کریں۔" اس نے اس کے لہجے کی نقل اتاری پھر اس کے موڈ کو نظر انداز کرتے ہوئے پورا گلاب جامن اس کے منہ میں زبردستی ٹھونسا وہ دائیں بائیں سر ہلاتی رہی مگر اصل ضیا کی طاقت کے آگے ایک نہ چلی۔

"چبا چبا کر کھاؤ ہو سکتا ہے کچھ اس کی شیرنی ہی گھل جائے تمہاری زبان میں۔" اس کے دونوں ہاتھ چھوڑ کر جلانے کو بولا تو وہ وہیں زمین پر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

"ضیا فیملی صرف چھیننے کے لیے بنی ہے کیا؟"

اصل نے یہ دلگیر لہجہ سنا تو خود بھی وہیں اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"یہ خیال کیوں آیا تمہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"خیال! صرف خیال اصل ضیا تمام ماضی بھرا پڑا ہے اس خیال سے' پہلے پاپا نے میری ماما چھینیں مجھ سے پھر انکل کی ٹانگیں مجھ سے میری شناخت جینے کا حوصلہ اور اب! اب ناصر ضیا خاکوانی نے مجھ سے تمام عمر کی کمائی چھین لی رامین میری دوست نہیں میری جان صرف وہی تو تھی جس سے میں ہر دکھ ہر سکھ کہا کرلی تھی مگر اصل تم لوگوں سے یہ بھی برداشت نہ ہوا۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی اور اصل اسے دیکھے گیا۔

"مجھے نفرت ہے اصل تم سے تمہارے گھر کے ہر شخص سے۔"

"اور مجھے ذی ذی مجھے' تم سے بہت محبت ہے میرے گھر کے ہر شخص کو تم بہت عزیز ہو ذی ذی اور کہتے ہیں جو جذبہ زیادہ شدید ہوتا ہے وہ کمزور جذبے پر چھا جاتا ہے اور دنیا کا شدید جذبہ صرف محبت ہے صرف محبت۔" وہ انکل زیاد سے ہاتھ ملاتا باہر نکل گیا۔

اور پھر چھ ماہ ہی میں اس نے وہ افراتفری مچائی کہ شمنا بھابھی روبا بھابھی شمیلہ بھابھی اور رامین کی فیملیز میں ایمرجنسی نافذ ہو گئی تمام شادیاں اپنے حسب پروگرام بخیر و خوبی انجام پذیر ہو گئیں ذی ذی' رامین کی وجہ سے ناراضگی کے باوجود شادی میں شریک رہی اصل نے دیکھا تو بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

"اتنا پگھل گئی ہو مجھے یقین ہے کسی نہ کسی دن ہماری طرف پلٹو گی ضرور۔" اس نے یقین سے کہا۔

--*

وہ گتھی سلجھانے میں ناکام ہو گئی تھی عجیب سرگرمیاں تھیں شیرازی اور اس کے پاپا کی اس کا کام محض فائلوں کی چیکنگ کا تھا لیکن وہ محسوس کر رہی تھی کہ درپردہ کچھ اور بھی ہوتا ہے اور پھر ایک دن وہ اس راز کو جان ہی گئی شیرازی اور اس کے پاپا ملک

دشمن عناصر قسم کے لوگوں میں شمار ہوتے تھے وہ کوئی کاروبار نہیں کرتے تھے اور وہ نہ صرف راز جان گئی بلکہ ثبوت بھی اتفاقاً اس کے ہاتھ لگ چکا تھا۔

"ذی ذی تمہیں اس معاملے میں اصل سے مدد لینی چاہیے وہ ہر کام سنبھال سکتا ہے۔" اس نے جب اپنی پریشانی کا ذکر انکل زیاد سے کیا تو ان کا مشورہ یہی تھا۔

"ہونہہ اصل قطعاً نہیں آخر میں کیوں جھکوں وہ سوچے گا کہ ذی ذی ہار گئی بلا آخر اسے بھی کسی سہارے کی ضرورت پڑ گئی نا ممکن۔"

اور پھر ایک دن وہ اپنے طور پر پولیس محکمے کے ایک اعلیٰ افسر کے سامنے تمام ثبوت سمیت پیش ہو گئی جس نے فائل دیکھی تو فوراً پوچھا۔

"اس کا اوریجنل کہاں ہیں مس زیاد۔"

لمحہ بھر کو تو وہ چونکی پھر اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"اس کا اصل میرے ایک ہمدرد کے پاس ہے سر میں جانتی ہوں یہ کام جان جوکھوں کا ہے لیکن دفاع وطن کے آگے میں اپنی جان کو حقیر سمجھتی ہوں اس کا اوریجنل اس لیے محفوظ کر رکھا ہے تاکہ مجھے نقصان پہنچایا جا سکے آپ ان تمام ثبوت کا مکمل جائزہ لیں اگر سب ٹھیک ہیں تو احکامات دے دیں یقین رکھیں عدالت میں اصل ڈاکومنٹ پیش کرنا میری ذمہ داری ہے سر۔" وہ کہہ کر باہر آئی مگر اس نے محسوس کیا جیسے کچھ لوگ اس کی نگرانی پر اچانک ہی مامور کر دیئے گئے تھے اس نے پریشان ہو کر انکل زیاد کو اپنا اندیشہ اور خوف بتا دیا تو انہوں نے اس کی کوئی بھی بات سنے بغیر اصل ضیا کو فون کھڑکا دیا۔

"تن تنہا معرکہ سر کرنے چلی ہو جانتی ہو وہ آفیسر شیرازی کے باپ کا کس قدر پرانا دوست ہے۔" اس لمحے اس کے کارنامہ پر اسے طنزیہ دیکھا۔

"دوست! لیکن میں نے ایک مہینے کی معلومات سے یہ نہیں یہ جھوٹ ہے وہ ایک ایماندار آفیسر ہے۔" وہ پریشان ہونے کے باوجود اپنی بات پر ڈٹی رہی اور اصل اسے دیکھتا رہا۔

"افسوس ہوتا ہے تمہاری عقل پر یہ حماقت نہیں

تو کیا ہے ناصر بھائی ڈی ایس پی ہیں عامر بھائی اعلیٰ عدالت کے ماہر قانون دان پھر ذی ذی پھر باہر سے امداد لینا کہاں کی دانشمندی ہے۔"

"میں اپنے کسی دشمن سے مدد لینا غیر ضروری سمجھتی ہوں۔" وہ تن کر چلائی تو اس نے اس کا بازو پکڑ کر اسے زور سے جھٹکا دیا اور بولا۔

"جانتی ہو کچھ ہی دیر بعد چاروں طرف شیرازی کے آدمی بکھرے ہوں گے تمہارا کیا خیال ہے تمہیں وہ تمہارے حال پر چھوڑ دیں گے احمق لڑکی دشمنوں کو اپنا اور اپنوں کو آخر کب تک دشمن سمجھ کر نقصان اٹھاتی رہو گی آخر کیوں یقین نہیں آ جاتا تمہیں ہماری محبت ہماری وفا پر" لیکن ذی ذی تو خاموش گم سم اصل کو دیکھے گئی۔

"میں کیا کروں اب۔" بلا آخر بستہ ہم انداز میں اس نے شکست مان لی لیکن اس زعم کے ساتھ کہ اس کا مقصد صرف ملک دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچانا ہے چاہے سبب کوئی بھی بنے اور اصل نے فوراً ناصر بھائی کو فون کیا آئندہ کے پروگرام کا پوچھا اور اسے چوکنا رہنے کی تنبیہہ کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔

تمام ثبوت کے اور یجنل کاغذات ناصر بھائی سے ہوتے عامر بھائی تک پہنچ چکے تھے وہ قانونی کارروائی کو آخری شکل دینے میں لگے ہوئے تھے ناصر بھائی کی اعلیٰ حکام سے بھی میٹنگز ہو چکی تھیں سوا نہیں اوپر سے گرین سگنل کا انتظار تھا مسئلہ نمٹتے دیکھ کر وہ کچھ مطمئن ہو گیا۔

وہ پورے ایک ہفتے سے اصل نیو ایئر کی زبردست تیاریوں میں مگن تھا چاروں بھابھیاں اس کی اس ایکٹیویٹی میں شامل تھیں بھائی فی الحال اپنے کاموں میں مصروف تھے اس لیے سوائے رمیز بھائی کے کسی نے اس کی توقع کے مطابق حصہ نہیں لیا تھا۔

وہ اپنے کاموں کو فائنل ٹچز دے رہا تھا نعمان' مظفر' عباس بھائی بھابھی اور اماں جو اس کی ہزار منتوں پر آئی تھیں اس کی کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے باتیں ہو رہی تھیں قصے سنائے جا رہے تھے شعر سنائے جا رہے تھے وہ بھی قالین پر بیٹھا اس بیت بازی

کا حصہ بنا ہوا تھا کہ اچانک فون کی بیل بجی۔
"اس وقت میں کسی قسم کے کام کے موڈ میں نہیں ہوں سر کیوں کہ آج ہم نے نیو ایئر منانا ہے اور اس کا سب سے خاص آئٹم ایک ضدی لڑکی کی واپسی ہے۔" اس نے ریسیور اٹھا کر دوسری طرف کی بات سنے بغیر کہا۔
"اہمل بھائی یہ میں ہی بول رہی ہوں آپ کی زی زی۔" دوسری طرف سے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا گیا تو وہ سر سہلا کر رہ گیا۔
"دراصل آج صبح سے ناصر بھائی نے تنگ کر رکھا تھا آج شیرازی کو اریسٹ کرنے کا پروگرام ہے میں نے کہہ دیا کہ آج ہم اس دھواں دھار مہم میں ہرگز شامل نہ ہوں گے بلکہ آج ہم صرف نیا سال سیلیبریٹ کریں گے اپنی سب سے پیاری دوست اور لٹل سسٹر کو زندگی کا پیغام دیں گے کہ زندگی محض محبت کے سوا کچھ نہیں۔"
"اور کچھ کہنا باقی ہے تو وہ بھی کہہ ڈالیے اہمل بھائی آپ بہت بولتے ہیں۔" یکلخت دوسری طرف سے روہانسی آواز سنائی دی تو وہ چونکا۔
"بکواس اب بالکل بند تم بتاؤ کیوں فون کیا تھا؟" وہ نہایت سنجیدہ لہجے میں پوچھنے لگا تو وہ روہانسہ لہجہ بن کر رونے لگی۔
"آپ کہہ رہے ہیں کہ شیرازی کو گرفتار کرنا ہے، لیکن شیرازی تو۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ لائن کٹ گئی وہ دیوانہ وار دروازے کی طرف لپکا۔
"یہ یکدم کہاں کا قصد کر لیا کس کا فون تھا۔" رمیز بھائی نے پوچھا تو وہ زی زی کہہ کر آگے بڑھ گیا سب گم کیفیت میں بیٹھے رہ گئے رمیز بھائی سے پوچھنے لگے مگر وہ جواب دینے کی بجائے فون کرنے لگے پتہ چلا ناصر بھائی زی زی کی طرف کب کے روانہ ہو چکے ہیں۔
"ارے او کے سب ٹھیک ہے کچھ پریشانی کی بات نہیں۔" رمیز بھائی نے سب کے پریشان چہرے دیکھ کر مطمئن لہجے میں کہا۔
"ناصر تو ڈی ایس پی ہے مگر یہ اہمل یہ کس قانون سے ہر خطرے میں کود پڑتا ہے۔" شہنا بھابی کے لبوں پر جھنجلاہٹ کی کھائی تو رمیز بھائی مسکرا دیئے۔
"کچھ اختیارات ہیں اس کے پاس جو ناصر سے و نہ اسے ملے ہیں۔"
اہمل ضیا جب زی زی کے کالج پہنچا تو اسے پتا چلا کہ شیرازی کا چھوٹا بھائی عرفان گرفتار ہو گیا ہے تو شیرازی نے زی زی کو یرغمال بنا لیا ہے۔
ناصر بھائی مائیکرو فون پر شیرازی کو ہتھیار پھینک کر سرینڈر کرنے کا حکم دے رہے تھے اہمل عقب سے اس راستے کے ذریعے اندر داخل ہوا جو کچن کے اندر کھلتا تھا وہ اندر داخل ہوا تو عجیب منظر سامنے تھا زی زی شیرازی کے ریوالور کی زد میں تھی۔ شیرازی پریشان حالت میں کھڑا تھا کہ اسے پشت سے آواز آئی۔
"یار شیرازی ہر موقع پر ہر چال کامیاب نہیں ہوتی میں جانتا ہوں پہلے سے انفارمیشن مل جانے کی وجہ سے تم نے یہ جذباتی قدم اٹھایا ہے لیکن صد افسوس کہ تم نے جس چیز کے لئے یہ قدم اٹھایا وہ چیز یعنی وہ فائل یہاں نہیں بلکہ پولیس سے ہوتی منسٹر آفس تک پہنچ چکی ہے۔
اس لئے زی زی یا مجھے مارنے کے بعد بھی تم قانون سے بچ نہیں سکتے اور نہ ہی تمہارا بھائی رہا ہو سکتا ہے لہٰذا اگلے کسی مزید جذباتی اقدام سے قبل ۔۔۔۔"
اس کا جملہ پورا ابھی نہیں ہوا تھا کہ وہ چیخا۔
"بکواس مت کرو میرا یہاں سے نکل جانا کوئی مسئلہ نہیں بہت لمبے ہیں میرے ہاتھ اور تم آگے نہ آنا۔" جواباً اس کا لہجہ چٹانوں کی طرح سخت تھا اور اہمل کا مقصد اس کا دھیان ہی توڑنا تھا دھیرے سے مزید آگے بڑھا اس گلدان کی طرف جو سینٹرل ٹیبل پر رکھا تھا۔
"شیرازی جس کے ہاتھ جتنے لمبے ہوں اس کا قد اتنا ہی چھوٹا ہوتا ہے جرائم کی دنیا میں اخلاقی کردار۔" یکدم کہتے کہتے اس نے اس کے اسی ہاتھ پر گلدان مارا جو زی زی کی طرف اٹھا ہوا تھا اس کے ہاتھ کو جھٹکا لگا ریوالور دور جا گرا اور موقع سے فائدہ اٹھا کر زی زی صوفے سے فوراً چھلانگ مار کر پیچھے ہو گئی۔

تب کچھ منٹوں میں ہو گیا تھا ناصر بھائی کی فورس کے افراد نے اس کے گرد گھیرا ڈال دیا تھا اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی لگ گئی تو زی زی بھاگتی ہوئی اہمل کے سینے سے آ لگی۔
"اہمل بھائی میں شرمندہ ہوں۔"
"یعنی تم نے مزید نفرت کرنے کا فیصلہ ملتوی کر دیا۔"
"ہاں کیوں کہ میں جان گئی ہوں کہ مجھے واقعی اب آپ جیسے بھائیوں کے سہارے کی ضرورت ہے میں اکیلی تنہا نہیں چل سکتی۔" اہمل نے سنا تو مسکراتا ہوا حیرت زدہ کھڑے ناصر بھائی کے قریب آ گیا۔
"ان سے ملیے یہ ہیں زرین ضیا پاپا کی بیٹی اور ہماری آپ کی اکلوتی پاگل لٹل سسٹر ابھی تو میں شیرازی کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جس کی معمولی سی جلد بازی نے مجھے اتنی سرعت سے اس پاگل اور احمق لڑکی کو منانے کا موقع فراہم کر دیا ورنہ تو صدیوں پر محیط تھا یہ سفر۔ تم بھی چلو گی زی زی شیرازی کا شکریہ ادا کرنے۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھایا تو زی زی بنا محبت کے اس کے ساتھ چل پڑی۔
وہ بنگلے سے کچھ ہی فاصلے پر آئے تھے کہ اہمل نے شیرازی کو شرارت سے مخاطب کیا۔
"تھینکس شیرازی زی زی کا دل ہماری طرف سے صاف کرنے میں تم نے کلیدی کردار ادا کیا میں تمہیں ایک اچھے دشمن کی طرح ہمیشہ یاد رکھوں گا زی زی چلو۔" کہتے کہتے اچانک اس نے زی زی کو دھکا دے دیا اور اندھیرے میں اچانک شعلہ سا لپکا زی زی کی چیخیں نکل گئیں اہمل اوندھا گرا پڑا تھا اور شیرازی دیوانوں کی طرح قہقہے لگا رہا تھا۔
"یہ پلان تھا میرا میں ادھار نہیں رکھتا۔"
"تم نے اس کے دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑی کیوں نہیں لگائی تھی۔" ناصر بھائی اپنے ماتحت پر چلا رہے تھے تیزی سے اہمل کی طرف بڑھے زی زی بے قراری سے اسے جھنجھوڑ رہی تھی مگر وہ بے سدھ تھا۔
"یہ اہمل کو کیا ہو گیا ہے زخم بھی نہیں ہے لیکن یہ ہل کیوں نہیں رہا ناصر بھائی؟" وہ اہمل کا چہرہ ہاتھوں میں تھامے کر رونے لگی تو ناصر بھائی بھی اس کا جسم ٹٹولنے لگے بلٹ پروف جیکٹ تھی شرٹ کے نیچے مگر اہمل کی نبض بھی چل رہی تھی۔
"اہمل۔" گھبرا کر چونک کر خود وہ بھی زی زی کی طرح اسے اٹھانے لگے۔
وہ اپنی سی کوششوں میں مصروف رہے اور وہ خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی کتنی ہی باتیں اس کے ذہن میں گونجنے لگی تھیں جو کبھی نعمان نے کہا تھا۔
"دیکھئے گا مس زرین ایک دن آپ اس بڑے مخلص کے مرنے پر خوب روئیں گی گڑگڑا کر اس کی زندگی کی دعائیں مانگیں گی لیکن اس دن آسمان دعائیں بھی لوٹا دے گا۔"

میں سے بھی تھی جو زمینی بھل تھی گرل کہیں دور کہیں سے وہ خود پکارا۔

"تم ہر کام میں بہت دیر لگاتی ہو سنو گڈ گرل کہیں ماننے میں اتنی دیر مت لگا دینا کہ تمہارا یہ دوست یہ بھائی محض یاد ہو کر رہ جائے۔"

"نہیں اہمل بھائی۔" اس نے پھر سے سر جھکا لیا تو ناصر بھائی نے اسے کاندھوں سے پکڑ کر اٹھایا اپنے بے کراں سینے سے لگا لیا اور پھر کہا۔

"مجھے اہمل سمجھو میں بھی تو اہمل کی طرح تمہارا بھائی ہوں نا۔"

"مگر اہمل کو کیا ہوا؟۔" وہ بے قراری سے آگے بڑھنے لگی تو ناصر بھائی نے پھر سے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"صبر کرو ذی ذی اہمل نئے سال کی اس ساعت میں اب ہمارے ساتھ نہیں رہا کھو دیا ہم نے اسے۔"

"جھوٹ بلف ذی ذی قطعاً" یقین مت کرنا۔"

یکدم وہ چلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تو قریب کھڑا انسپکٹر گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا اور ناصر بھیا تو قہقہہ لگا کر ہنس پڑے کہ وہ شرارت میں اس کا ساتھ دے رہے تھے لیکن ذی ذی نے اسے بری طرح ڈپٹ ڈالا۔

"تمہیں ہمارے دلوں سے کھیلتے شرم آنی چاہئے تھی اہمل۔"

"شرم ہی تو آئی ورنہ تو گھر بھی ایسے ہی خصوصی انداز میں پہنچنے کا ارادہ تھا۔" اس نے شرارت سے کہا لیکن ذی ذی خفا ہی رہی اس سے۔

"مان رہی ہو یا میں چلتی جیپ سے چھلانگ لگا دوں۔" کوئی رسپانس نہ ملا تو پچھلی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے کراہنے لگا۔

"بہت خراب نشانہ تھا ظالم کا بس غلطی ہو گئی اس کے سامنے ہی آ جاتا تو اچھا تھا یہاں تو کسی کو ہماری ضرورت ہے۔"

"بکواس بند کرو گے یا۔۔" ناصر بھائی غصے میں پلٹے ذی ذی نے بھی گھورنے کی کوشش کی مگر اس کی مسکین صورت دیکھ کر دونوں ہی کی ہنسی نکل گئی۔

"تم اس قدر اسٹوپڈ کیوں ہو۔" ناصر بھائی نے جیپ ایک کنارے روکی اس کے بال مٹھیوں میں جکڑ کے پوری قوت سے کھینچے اس کے آنسو نکل آئے تو چیخ کر رونے سے لگا لیا۔

"تم تو ٹلی میڈ من ہو اہمل۔"

"ہوں مگر آپ سے کم سارے بالوں کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں۔" ناصر بھائی ہنسنے لگے خفت زدہ سے تو اس نے جیکٹ کی بالکل اندرونی جیب سے ایک کارڈ نکال کر ذی ذی کے حوالے کیا۔

"آج بڑا زبردست پروگرام ہے تمہاری شان میں۔" ذی ذی نے کارڈ کھولا تو صرف ایک چھوٹی سی نظم لکھی تھی۔

نئے سال کا
بہترین تحفہ
ایک مسکراہٹ
جو
میری دوست
تیرے لب اچھالیں

اس نے پڑھ کر نگاہ اٹھائی تو دونوں بھائیوں کو اپنی طرف دیکھتے پایا۔

"آپ سب میری کسی نیکی کا ثمر ہیں ورنہ میں لے تو محبتیں ٹھکرانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی مجھے فخر ہے آپ سب پر۔"

"اور ہمیں بھی تم پر بہت مان ہے ذی ذی۔" ناصر بھائی نے اسے کاندھے سے لگا لیا اور اہمل ضیا تمام تر شوخی اور سر میں نئے سال کے استقبال کے لئے گنگنانے لگا۔

جیپ پوری رفتار سے خاکوانی ہاؤس کی طرف اڑی جا رہی تھی جہاں بے شمار دل اور ہاتھ ان کے لئے مصروف دعا اور نگاہیں دید کی منتظر تھیں۔ محبت اور خوشیاں منتظر تھیں۔ نیا سال اس خوش کن یقین کے ساتھ ان کے گھر اور دلوں پر دستک دے رہا تھا۔

اور وہ سب اس کے استقبال کے لئے ہار پھول لے تیار کھڑے تھے نیا سال جو بس چند لمحوں بعد آیا چاہتا تھا خوشی کی اس نئی رت کو لیے ہمیشہ رہنے کے لئے۔

**

سعدیہ عزیز آفریدی

محبت لاحاصل نہیں

"تمہاری نظر میں محبت کیا ہے..." گہرے نیلے آسمان کو دیکھتے دیکھتے یکدم اس نے پلٹ کر اس سے پوچھا تو وہ گڑبڑا گیا۔

"پتہ نہیں۔ میں نے آج تک محبت نہیں کی۔" کتنا مختصر جواب تھا اور کتنا مکمل مگر سمیع افضل نے اس لائن میں کئی نشیب و فراز کا مفہوں میں پالگا لیا تھا آخر کو سارے دوستوں میں وہ زیرو زیرو سیون مشہور تھا۔

اس کی نگاہیں ابھی تک جنید عثمان پر ٹکی ہوئی تھیں۔ وہ بہت متلمئن تھا مگر جنید عثمان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اٹھے اور بس اچانک اس کی نظروں سے اوجھل ہو جائے۔

"تم نے کبھی محبت نہیں کی یہ تم کہتے ہو..." وہ دھیرے دھیرے چلتا اس کے سامنے آرکا۔

"ہاں یہ میں کہتا ہوں تو پھر..."

اس نے ساری قوت اٹھنے پر لگا دی مگر اس کے ہاتھ اس کے کاندھوں پر آ جے تھے۔

"تم یہ کہتے ہو مگر تمہاری آنکھیں وہ کہتی ہیں مجھے کسی کی چاہ نے رول دیا۔"

"اچھا حیرت ہے! یہ میری آنکھیں تم سے اتنا جھوٹ کیوں کہتی ہیں۔" اس نے شرارت میں بات برابر کرنی چاہی اور وہ ریلنگ سے پشت ٹکا کر واپس اپنی پہلی پوزیشن پر جا کر کھڑا ہو گیا اس بات پر اس نے ایک لفظ نہیں کہا تھا اور جنید عثمان خود کو آکورڈ پوزیشن میں کھڑا محسوس کرنے لگا تھا۔

"یہ آخر تمہیں سرسام کیوں چڑھا کہ مجھے کھوجو اور دریافت کرو کہ مجھے کسی سے محبت ہوئی تھی یا نہیں کیا محبت کرنا ضروری ہے۔"

"ہاں تم جیسے انسان کے لیے جس کا رکھنا ملنا سب محبت کا ایک بہاؤ لگتا ہے یہ کیسے ممکن ہے تم نے محبت کی نہ ہو اور تمہارا وجدان محبت پر اس قدر تسلسل سے گفتگو کر سکتا ہو۔ جنید عثمان! ہم سورج دیکھے بغیر اس کی روشنی کا فاصلہ نہیں ناپ سکتے ہم جانیں گے کہ یہ سورج ہے تب ہی ہمیں روشنی کا ادراک ہوگا۔"

"مگر روشنی کی کرن اپنا ادراک خود ہوتی ہے۔ اسے ہم دیکھیں یا نہ دیکھیں یہ کسی نہ کسی درز سے خود اندر داخل ہو جاتی ہے اور خود کہتی ہے۔ میں روشنی ہوں تاریکی مٹانے والی۔ کیا میرے ہوتے ہوئے بھی اندھیرا تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھ سکتا ہے۔"

سمیع افضل نے اسے دیکھا اور متبسم ہونٹوں کے درمیان میں بات روک لی جیسے وہ اسے ابھی کچھ اور آزمانا چاہتا تھا۔

"تم مجھے بے اعتبار نظروں سے کیوں دیکھ رہے ہو۔"

سمیع افضل نے دونوں بازو سینے کے گرد باندھ لیے پھر شرارت سے بولا۔

"صرف اس لیے کہ تمہاری آنکھیں آئینے کو چور لگنے لگی ہیں۔"

"کہاں ہے آئینہ...؟" وہ جان کر انجان بنا اور

بتانے والا اتنا کائیاں تھا، بڑی بڑی آنکھیں اس پر گاڑ کے چپ کا چپ رہا۔ آئینے میں عکس ٹھہر ٹھہر رہا تھا، ایسے جیسے کسی ویران سرائے میں گئے ہوؤں کے لوٹنے کا انتظار کرتا کوئی بے کس دیا۔

اندر باہر ہر طرف اتھل پتھل مچ گئی تھی۔

"محبت میں نے کبھی محبت کی کوئی تعریف نہیں سنی مگر اسے اپنے اندر بستے پایا۔ یوں جیسے نئی تحقیق پر لوگ کہتے ہیں، مٹی کے کئی فٹ نیچے اب بھی کھارا اور سرسوتی بہتے ہیں۔ اتنے فٹ نیچے پانی تو ہے مگر اس میں پیاس آگئی ہوگی مگر مجھے محبت بھی باسی نہیں لگی نہ میں نے یہ گراف بنایا کہ یہ مجھے ملی بھی یا نہیں اور میں نے کبھی اس کا دکھ بھی نہ دیکھا کہ اتنے خالص انداز میں محبت کرنے کے باوجود مجھے کبھی یہ پوری طرح چھو کر بھی نہ گزری۔ مجھ میں سما کر مجھے مہکایا کیوں نہیں، یہ سوال تو بہت بعد میں آتا ہے۔" وہ لمحہ بھر کو رک گیا اور سمیع افضل پھر سے اس کے قریب آ گیا۔

"کون تھی وہ...؟" سرا بنانے کے لیے اس نے پزل پیس سامنے بکھر لیے تھے مگر وہ کیا کہتا۔

"وہ کوئی جیتا جاگتا وجود نہیں تھی سمیع! وہ بس میری محبت تھی تم کہہ سکتے ہو۔ وہ میرا ذاتی الوژن یا محبت کا ایک خود ساختہ مجسمہ تھا، جس میں خوبصورتی کم سہی مگر محبت بے بہا تھی۔ میں نے کالج لائف میں اس افیئر پر بڑے بڑے لمبے لمبے خطوط لکھے تھے خود کو بہت لمبے لمبے۔" اس نے لمبے لمبے سانس یوں لیے جیسے اپنی مختصر زندگی کے لیے کوئی جاں بلب بے آواز دعا کرے جینے کی تمنا سے نہیں بس مرنے کی حسرت سے زندگی کی آسودگی کی جسے سدا چاہ رہے اور موت کی تلخی جیسے زندگی کا حقیقی مزہ بن کر ملے تو اسے زندگی اور موت میں تفریق کرنے کا ہنر بھی یاد نہ رہے۔

"تم نے ان خطوط میں خود کو کیا لکھا تھا۔۔۔؟"

وہ اس کے قریب بیٹھ چکا تھا، اس نے کرسی سے سر ٹکا کر لفظ ڈھونڈے "عمر گزرے ماہ و سال کے پیچھے بھاگنے سے تو گردیں ہاتھ نہیں آتی گزرنے والا برس ناراض دوست کی طرح جاتا ہے اور آنے والا نیا برس کسی موڑ پر ملنے والا ایک اجنبی ہوتا ہے جو مہربان بھی ہو سکتا ہے نامہربان بھی اور اس کے لیے ہر برس بے سرا اجنبی ہی ثابت ہوا تھا۔

"تم نے بتایا نہیں۔ تم نے ان خطوط میں خود کو کیا لکھا تھا۔۔۔" اس نے شانہ ہلایا اور وہ ہنسا۔

"جبران کہتا ہے جب میں محبت سے ناآشنا تھا تو محبت کے گیت گایا کرتا تھا۔ لیکن جب میں محبت سے آشنا ہوا تو الفاظ میرے منہ میں سوج ہوا بن کر رہ گئے۔"

"یعنی۔۔۔" اس نے جان لیا مگر پھر بھی اسے خود واضح ہونے کے لیے طرح دینے لگا۔ اس نے اس کی شرارت سمجھ لی۔ برا مانے بغیر بولا۔

"یعنی میں نے جب محبت صرف دیکھی تھی تراشی تھی تب میرا دل چاہتا تھا۔ میں اس کے بت کے سامنے بیٹھ کر پرانے یوگیوں جوگیوں کی طرح اسے سراہوں اس پر ثنا کے پھول برساؤں۔ میں بس کسی کو بتاؤں۔ محبت یہ ہے بہت اچھی ہے بہت اچھی میرے پاس بے تحاشا لفظ تھے بے حد۔ بے حد زیادہ مگر جب یہ میں نے کی تو اس نے میرے اندر داخل ہو کر کہا کیا محبت کی تعریف اور ثنا خود محبت کے سوا بھی کچھ ہے لفظ بے معنی ہیں۔ ایک معنی دیتی محبت کے سامنے یہ ہمیں بتا دیتی ہے ہم اسے بتانے پر قادر نہیں، یہ خود قدرت کی مثل ہے یہ اس کا جمال ہے پھر اسے ہم کیونکر اپنے پیمانے میں سمو سکتے ہیں، یہ لامحدود ہے جیسے وہ محبت بنانے والا۔"

"مگر میرا سوال تھا جب یہ تم نے کی تو کیسے کی۔۔۔"

وہ اصل کی طرف اسے لوٹا لایا اور وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"بس یہ میں نے کی میں صرف اس کی قدرت رکھتا تھا میں نے اپنی محبت ایک خود ساختہ لڑکی سے روا رکھی، وہ میرے ہمراہ جیتی تھی میری ایک ایک سانس میں آدھا اس کا سانس تھا مجھے اس سے کوئی توقع نہیں تھی اور یہی میری محبت کی اصل بنیاد تھی کہ اس میں کوئی خامی نہیں تھی اور میں اسے بلا جھجک چاہ سکتا تھا مجھے اس بت کے ٹوٹنے کا خوف نہیں تھا سو میں نے محبت کی بے حساب مگر چھپ میں لکھتا گیا۔"

"تم نے محبت کرنا چھوڑ دی۔۔۔؟" اگلا سوال کتنا سفاک تھا وہ جانتا تھا مگر وہ اسے کھوج لینا چاہتا تھا سو جھجکا نہیں اس نے سر جھکا لیا تھا۔

"میں نے محبت کرنا نہیں چھوڑی، ہاں بس خود کو خطوط پوسٹ کرنا چھوڑ دیے۔"

"تم نے واقعی محبت کرنا نہیں چھوڑی۔۔۔" وہ روبرو ہوا اور اس کے اندر کہیں الارم بجا "تم۔۔۔ کہنا کیا چاہتے ہو؟"

سمیع الفضل نے سر جھٹک دیا وہ کچھ کہے بغیر اٹھ گیا تھا مگر جنید عثمان کو لگ رہا تھا اس نے کسی نہ کسی بات سے دریافت کر ہی ڈالا ہے۔ مگر خود کو خود ہی ایکسپوز کرنا دل گردے کا کام تھا اور وہ یہاں کچھ کم ہمت ثابت ہوا تھا۔ پھر یہ بہت سارے بے رنگ دنوں کے بعد کی بات تھی کہ وہ سمیع افضل کے ہاں ایک گیٹ ٹو گیدر میں شریک ہوا تھا۔

پھر اس نے آدھا سانس لیا تھا اور آدھا سانس کہیں اندر ہی گھٹ کر رہ گیا تھا۔

وہ بالکل اس کے سامنے کھڑی تھی، لمبے لمبے خطوط بھی وہ بہروپوں کی طرح سر پر تن گئے تھے۔

میں نے آدھی سانس لے کر آدھی سانس ہمیشہ اس کے لیے بچا کر رکھی مگر اس نے مجھے جیا ہی نہیں اس نے مجھے زندگی جتنا بھی اپنا نہیں سمجھا اور میں اسے زندگی کہتا رہا تو میں آج بھی اسے برا نہیں کہتا آج بھی آدھی سانس اس کے لیے بچا کر رکھتا جاتا ہوں کہ کبھی وہ آئے تو مجھے جیسے وہ تنے تو میرے ہر لفظ میں دل دھڑکے ہر حرف روشن ہو وہ آئے تو خزاں کے دامن سے بہار سردی کی دھوپ کی طرح چمن کے اترے، مرے دل دالان کو مہک سے بھر دے وہ آئے تو۔۔۔؟

تو میں اس کے لیے انتظار کرتا دروازہ ہوں اور وہ من چاہا مہمان۔ میرا دل دروازے سے اس کے قدموں کی چاپ کا شگن لینے کب سے دم سادھے کھڑا ہے مگر اس دل کا انتظار یہ کب ختم ہو گا۔ کب۔۔۔

کبھی کسی موسم میں، کسی دکھ بھری شام میں، اپنے بہت قریب ایک دل سے کے جلتے اسے اس دھوپ بھری فضا میں یاد آ رہے تھے۔ محبت اندر لور اور بھر رہی تھی، سر پر خاک ڈالے، جگہ جگہ خار بچھے تھے آبلے تھے قدموں پر، روح پر، ہر جگہ مگر محبت کیے جانے کی حسرت۔

وائے افسوس، کبھی محبت تجھے کسی سے محبت نہ ہوئی ورنہ تیرا دل پھٹ جاتا اس جوگ بھرے روگ سے، تو انسان ہوتی تو آپ روتی اور تیری تڑپ میں کتنے دل روتے کہ محبت کرنے والا ہر دل دوسرے دل کا سنگی ساتھی ہوتا ہے پر تجھے۔۔۔ پر تجھے محبت پھر بھی محبت کرنا نہ آئی کہ یہ دل خاک کرنے کا کام ہے اور تو تو خاک دلوں سے گوندھ کر بنائی جاتی ہے، مٹاتی ہے تو بناتی ہے تو اور پھر سے مٹنے کا تماشا کرتی ہے۔۔۔ ایک ٹیس سی کہیں دل میں اٹھی وہ سمیع افضل سے بے حد مکمل مل گئی تھی قہقہے قریب سے یوں لگنے لگے تھے جیسے کوئی دل کا ماتم کرے اور آہ بھی دبا جائے۔

"محبت تو کتنی ظالم ہے، کتنی ظالم" اس نے تڑپ سے کہا، محفل سے جانے اور نہ جانے کے بارے میں فیصلہ کرنا ہی چاہتا تھا کہ سمیع افضل اس بت کافر کو لیے اس کی طرف چلا آیا۔

"جنید عثمان ان سے ملو یہ میری بہت کلوز فرینڈ نائلہ گردیزی۔۔۔"

اس نے قربت ظاہر کرنے کے لیے اس کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال رکھے تھے اور اس کا آدھا سانس کہیں اندر ہی چکرانے لگا تھا۔

"سمیع الفضل۔۔۔ کیا یہ نہیں جانتا کہ میں اس لڑکی کو مدتوں سے چاہتا آیا ہوں، کیا اسے نہیں پتا کہ میں نے کتنے لمبے لمبے خط پوسٹ کیے اور اس نے ان کے جواب بھی نہیں دیے۔"

"یہ ہر جرم سے بری ہے، یہ واقعی نہیں جانتا اور میں مجرم بنا کھڑا ہوں کہ میں جانتا ہوں، محبت کیا ہے۔۔۔" تڑپ سے اس نے خود کو تاسف سے دیکھا اور رو پکارا۔

"تمہیں پتا ہے جنید عثمان نائلہ کی بک "یہ میری محبتیں" بہت جلد مارکیٹ میں آنے والی ہے، یہ وہ خطوط ہیں جو کسی بہت احمق نے اسے اپنا سمجھ کر لکھے۔ نائلہ ان خطوط کو کتابی شکل دینا چاہتی ہے یہ میرا ہی مشورہ تھا۔" وہ قاتل تھا اور وہ اسے اپنا دوست کہتا آ رہا تھا۔

"خطوط محبت کی علامت ہوتے ہیں، انہیں مشتہر کرنے سے فائدہ۔"

وہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ کسی ایک کے سامنے ایکسپوز نہیں ہونا چاہتا تھا اور وہ ساری دنیا کے سامنے اسے بے پردہ کرنے والی تھی۔

"آپ نہیں سمجھ سکتے وہ خطوط کس قدر شدید اولیٰ قسم کے خطوط تھے، مجھے انہیں پڑھ کر محبت نہ دیکھنے کی حسرت نہیں ہوئی، لیکن جو میری طرز زندگی ہے وہاں ایسی محبت کی گنجائش صرف خطوط کی حد تک نکل سکتی ہے کہ میں پڑھوں اور رکھتی جاؤں اور بعد میں اسے چاہے جانے کا ٹرافی بناؤں فخر کرنا ہر ایک کی تمنا ہوتی ہے مسٹر جنید اور میں۔۔۔ میں نے بہت سے دل مفتوح کیے ہیں۔"

"ارے تو کیا میرا شمار بھی ان ہی دلوں میں ہوتا ہے۔" سمیع افضل اتنا شوخ کب تھا۔

وہ اسے دیکھنے لگا' وہ اس کے علاوہ کبھی کسی پر اتنا نہیں کھلتا تھا۔ نائلہ گردیزی کی نظروں کا حصار اس کے اطراف تھا سو وہ مفتوح ہونے کی شان سے بے حال آگے بڑھ گیا اور وہ محفل سے اٹھ کر بنا رخصت لیے باہر آگیا۔

"تو جنید عثمان تم جسے سمجھتے رہے کہ وہ تمہیں بیچ گا وہ تو تمہارے جیون کو خار سیل کرنے پر آمادہ ہے کیا یہ محبت ہے؟ خود محبت کرنا جائز حق سہی مگر تم پر تمہارے دل کا بھی تو حق ہے؟ تم نے آنکھیں بند کر کے پورے دس برس گزار دیے' اتنے طویل برس کتنی سردی میں پھیلی نرم دھوپ رہ گئی کتنی بہاروں نے تم سے گلہ کیا مگر تم نے کسی ایک کے لیے بھی در نہیں کھولا تم انتظار بنے دروازے کے اس طرف کھڑے رہے اور دروازے کے اس طرف وقت نے کتنے موسم بچھائے' کتنے موسم لٹائے تم نے در بند کر کے کسی کے آنے کا گمان کیا۔ بند دروں پر تو ہجر بھی دستک نہیں دیتا۔ کون بتا سکتا تھا کہ بند دروں کے پیچھے دل زندہ ہے سب تمہیں مردہ سمجھ کر تمہارے قریب سے گزر گئے اور تم سمجھتے رہے۔ تم محبت کرتے رہے ہو... محبت موت نہیں ہے' آزردگی نہیں ہے یہ نئے نئے روپ میں اپنا احیا کرتی ہے تاکہ تم جینا سیکھو یہ کہتی ہے تم خلوص دو اور وہ تمہیں محبت دے گی مگر یہ کبھی نہیں کہتی کہ خلوص سے محبت کیے جانے کے باوجود محبت نہ ملنے پر بھی تم باقی محبتوں کی راہ میں گلیشئر کھڑے کر دو۔ ہر شے جاندار محبت نرم دیا ہے دل میں روشن ہو تو بجھتا نہیں ہے مگر انسان کو تاہ نظر انسان اس دیے کو چھپا کر ہر سائل کو لوٹا دیتا ہے یہ نہیں جانتا کہ خلوص و مہر و محبت کے باوجود محبت حاصل نہ ہو تو غلطی دوسری طرف ہوتی ہے پھر کسی اور کی غلطی پر اپنی زندگی کو سزا دینا کہاں کی عقلمندی ہے..." اس کے قدم تیز رفتار تھے' وہ بس چلا جا رہا تھا' بے سمت پھر بہت شاموں کے بعد ایک شام تھی وہ ایک محبت کے انتظار میں دروازے سے کان لگائے دل کی سمت تن رکا۔

"تمہیں برسوں بعد جو بہت ساری شاموں' بہت سارے دنوں سے خود کو چھن کرایا ہوں۔ کیا یہاں میرا انتظار قائم ہے یا میں یہاں بھی رائیگاں گیا۔"

سامنے کھڑی آنکھوں میں دیپ جل اٹھے' دل کے مدھم دیئے سے ان دیپوں نے لو مستعار لی تھی مگر محبت میں قرض ادھار کب برا ہوا تھا جو آج حرف تنقید اٹھاتا۔ ثوبیہ جمال پورے دل سے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ تو بھی سانسوں کا بوجھ ایک خوشگوار احساس میں ڈھل گیا تھا۔ ایک ٹھنڈا میٹھا دعا بھرا پورا سانس' فضا میں بکھر رہا تھا جب بہت اچانک ثوبیہ جمال کی پشت سے جھانکتے سمیع افضل کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔

"تم یہاں...؟"

سوال میں حیرت کا عنصر کم کھوج لیے جانے کی سنسنی زیادہ تھی۔ وہ اس کی کیفیت بھانپ کر اس کے قریب چلا آیا۔

"میں یہاں بہت عرصے سے ہوں' تمہارے دل میں ہو کر نا ممکن تھا کہ میں یہاں نہ آسکتا۔ ہاں بس اس کا شکر کیا ہے کہ اب تم سے اگر کوئی پوچھے تمہاری نظر میں محبت کیا ہے؟ تو تم اس پر جھوٹ نہیں گھڑو گے' بہت آسانی سے بے حد ملامت آمیز جواب ہو گا تمہارے پاس..."

"سمیع افضل تم... تم..."

"تم کتنے اچھے ہو! مجھے معلوم ہے' تم مجھے ایسا ہی خراج تحسین پیش کرو گے' اس لیے میں پہلے سے ہی دیدہ و دل فرش راہ کیے کھڑا ہوں۔" وہ قریب گیا ارادہ تھا اسے مار بیٹھے گا اتنے دنوں تک اسے بنائے جانے پر یہ اس کا حق بھی ہوتا' لیکن اس کے قریب جاتے ہی اس کے بازو خود بخود وا ہو گئے۔ سمیع افضل کے سینے سے لگ کر اس نے محبت کو پہلی بار کسی خوف' کسی وہم سے ہٹ کر سراہا تھا اور محبت نے اس یقین پر اسے ہاتھ بھر بھر کر دیا تھا اتنا کہ کبھی گھٹ سکتا تھا نہ مٹ سکتا تھا۔

سعدیہ عزیز آفریدی

محبت سورج کی پہلی کرن

مکمل ناول

ہر شخص یہی سمجھتا ہے اگر زندگی کو کوئی چیز یکسر بدل سکتی ہے تو وہ زندگی ہے کیونکہ زندگی ہر لمحہ ارتقاء پذیر رہتی ہے مگر جب ہم زندگی جینا شروع کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے موت بھی ایک چیز ہے جو زندگی کو سب سے زیادہ بدل سکتی ہے اتنی تیزی سے اور اتنے حتمی انداز میں کہ انسان چاہ کر بھی پہلے جیسا نہیں ہو سکتا اور پھر کچھ اور وقت گزرتا ہے تو اس کے دل پر الہام اترتا ہے کہ زندگی کا ایک تیسرا پہلو بھی ہے اور وہ ہے عالم برزخ جس میں انسان اٹک جائے تو نہ جینے والوں کے ساتھ ہوتا ہے نہ مرنے والوں کے ساتھ مگر یہ عالم برزخ کی کیفیت بھی زندگی کو ہر کونے سے بدل ڈالتی ہے اور زندگی کا یہ دائرہ کہیں سے بھی کہیں تک نکلنے نہیں دیتا۔

اس لمحے اسے بھی ایسا لگ رہا تھا وہ عالم برزخ میں لٹکا دی گئی ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی تو اس نے اپنے دل کے اندر سے ایک جذبہ کھوج نکالا تھا اور بہت سارے خواب دیکھے تھے اور ابھی اچانک سارے خواب جیسے کسی زلزلے نے ہلا کر رکھ دیے تھے زندگی جب ہاتھوں سے سرک رہی ہو تو پتا چلتا ہے کیا کیا کچھ ہے جو ہم چھوڑے جا رہے ہیں۔ کسی کی باتیں گلابی شامیں، خواب بھری آنکھیں اور کسی کے ساتھ گزارے جانے والے ہر لمحے کی حسرت مگر زندگی کو ان ساری باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

”میرا دل چاہتا ہے میں تمہارے ساتھ بہت سارا

وقت گزاروں۔" یہ جملہ کل ہی تو مونس شہباز نے اس کی سماعتوں میں انڈیلا تھا اور آج اتنا اچانک۔

"میرے مولا رحم رحیم۔۔۔" اس نے آنکھیں خوف سے بند کرکے کھولی تھیں اور اپنے کپکپاتے وجود کو اس منظر میں پھر سے شامل کیا تھا۔

"مام! مجھے برین ٹیومر ہے۔" پانچ فٹ گیارہ انچ کا متناسب وجود، بڑی بڑی گہری آنکھیں، متناسب ہونٹ اور ان پر ہلکی ہلکی مونچھیں۔ یہ سچ جھوٹ جیسا تھا اور اس نے سو بار سوچا تھا وہ جھوٹ بول رہا ہے بھلا اتنے ایکٹو بندے کو ایسی بیماری کیسے ہو سکتی ہے، یہ شخص جسے

میں نے اس اجنبی ماحول میں چپکے چپکے اپنائیت سے زندگی ایک بار پھر سے جینا سکھائی تھی، وہ خود کیسے زندگی سے دور جانے کے قصے گھڑ رہا تھا۔

"ماما! آپ نے سنا۔ مجھے کیا بیماری ہے۔" سامیہ حسام الدین دھڑکتے دل کے ساتھ ایپرن سے ہاتھ صاف کرتی اس گھر کے کچن سے باہر آئی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی سرد مزاج سی اس کی ممانی کا اس خبر پر کیا ردعمل ہو سکتا تھا اور اس کی ممانی اسی محویت سے چینل دیکھ رہی تھیں وہ ان کے اور ٹی وی کے درمیان آگیا تھا۔

"تین دن بعد میرا آپریشن ہے۔ ڈاکٹرز کا خیال ہے میرے زندہ رہنے کا صرف دس فیصد چانس ہے۔" ممانی زینب نے پہلی بار نظریں اٹھا کر دیکھا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے ان کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔

"تمہیں ایسا کیا لگا کہ تم میرے لیے زندہ بھی ہو۔" ایسا جملہ مونس شہباز کا رنگ یکدم سے پیلا پڑ گیا تھا۔

"مام! آپ کو مجھ سے محبت کیوں نہیں ہوتی ہے؟" سامیہ حسام الدین سرک کر اس کے قریب آگئی تھی اسے لگ رہا تھا وہ اس وقت بالکل اکیلا پڑ گیا ہے اور ممانی نے ٹی وی بند کرکے اسے دیکھ کر کہا تھا۔

"اس سوال کا تم مجھ سے بہتر جواب دے سکتے ہو کہ مجھے تم سے محبت کیوں نہیں ہو سکی۔"

"میں نہیں جان سکا مام! میں نے تو ہمیشہ ہر چیز سے آپ کو اولیت دی ہے جو آپ چاہتی تھیں میں نے ہمیشہ وہی کیا پھر کیوں نہیں ہوا دل آپ کا میرے حق میں۔"

"میں ظفر کی موت کبھی نہیں بھول سکتی۔"

"وہ صرف حادثہ تھا مام!" وہ بے قراری سے ممانی زینب کے قریب ہو گیا۔

"وہ حادثہ نہیں تمہاری بے وقوفی تھی اور تمہاری بے وقوفی کی سزا ہماری ساری زندگی پر محیط ہو گئی ہے میرے سارے خواب بکھر کر رہ گئے۔"

"مام۔۔۔۔" وہ شخص بے قراری سے ممانی زینب کو تک رہا تھا۔

"تم مجھے مت ستاؤ اور جاؤ اپنے دوستوں کے پاس جو تمہیں ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔"

وہ جو صوفے کے پاس بے چارگی سے بیٹھا تھا ایک دم کھڑا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

وہ کمرے میں کھڑی تھی اور وہ اپنے سر درد کی وجہ سے بے حال بیڈ پر بیٹھا تھا۔

"یہ سب کیسے ہوا؟"

"جب انسان زندگی کے میدان میں اترتا ہے تو صرف رشتے اور محبت ہی اس کا حوصلہ اور ہمت ہوتے ہیں مگر یہ میرے پاس کبھی نہیں تھے میں اپنے وجود کی جنگ اتنے برس تک لڑ سکا یہ ہی بہت تھا سامیہ۔"

"آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے آپ ہار گئے ہیں۔"

اس نے پورے چار سال چھ ماہ بعد اس شخص کے کندھے پر ہاتھ دھرا تھا۔

اور اس نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا "پلیز سامیہ! ایسا مت کرو میں اکیلا جانا چاہتا ہوں مجھے اپنی یادیں دے کر درماندہ مت کرو۔"

"سامیہ حسام الدین، مونس شہباز کو دیکھتی رہ گئی تھی، اس نے تو صرف احساس دوستی سے اسے پکارا تھا اس کے لہجے میں یہ محبت کہاں سے لپٹ آئی تھی، یہ محبت جیسے وہ گہرے پاتال میں دھکیل آئی تھی اور اسے لگتا تھا اگر زندگی میں پھر کبھی کسی نے پوچھا "محبت کیا ہے" تو شاید وہ صرف خاموشی کے سوا کچھ نہ کہہ سکے گی مگر یہ محبت اس کی پوروں سے برقی لہرین کر اس کے وجود میں کیوں سرائیت کر رہی تھی۔

کیا واقعی وہ اس سے محبت کرنے لگی تھی؟

"آپ کی دوا کہاں ہے؟" وہ اس کے بیڈ کی سائیڈ دراز وں میں اس کی دوا ڈھونڈ رہی تھی۔

"یہ ٹیبلٹس بہت ہائی پوٹینسی کے ہیں۔ ایک گلاس دودھ لا دو گی؟" اس نے اپنے کمرے کی الماری سے اپنی دوائیں نکالی تھیں اور وہ آندھی طوفان کی طرح کچن میں جا کر دودھ گرم کرنے لگی تھی۔ مگر دودھ

کھولانے کے بعد ٹھنڈا کرنا کار دشوار تھا اسے وہ دن یاد آگئے تھے جب بھابھی جی چھ ماہ کے ننھے کو چھوڑ کر جاب پر جانے لگی تھیں اور اس ننھے کو سنبھالنے کے لیے وہ اسی طرح دودھ کو گرم کرکے ٹھنڈا کرتی تھی، وہ ایک کپ سے گرم دودھ اونچائی سے دوسرے کپ میں ڈال رہی تھی۔

"سامیہ۔" اس کی کراہتی آواز پر دودھ دوسرے کپ میں ڈالتے ہوئے اس کا ہاتھ بہک گیا تھا، ہاتھ کی اوپری جلد سرخ ہو گئی تھی اس نے پروا کیے بغیر دودھ کپ میں ڈالا تھا اور تیزی سے اس کے کمرے میں پہنچی تھی۔

وہ اب لیٹا ہوا تھا اس نے کپ کی گرمائش سے اندازہ کیا۔ دودھ اب بھی گرم تھا۔

"آپ اسے پی لیں گے؟" مونس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا۔

بے وقت اٹھا تھا پھر ٹیبلٹ اسی دودھ سے نگلی تھیں۔

"سوری! میں نے بہت کوشش کی مگر اتنی جلدی ٹھنڈا نہیں کر پائی اسے۔"

وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔ "کمال ہے سامیہ! مجھے لوگ اسکیوزز نہیں دیتے۔ نظر انداز کرنے کے لیے، بے عزت کرنے کے لیے اور آپ صرف دودھ ٹھنڈا نہ کر پانے پر معذرت کرنے بیٹھ گئیں۔ ادھر دیکھیے میری ساری روح آبلہ در آبلہ ہے۔ میں زندگی کو فیس کر رہا ہوں نا تو یہ ہلکی سی جلن گرمائش میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔"

"آپ کو یہ کس بے وقوف نے کہا کہ آپ کو یہ بیماری ہے۔" اس نے جان کر نام نہیں لیا، ساری بیماری کی سنگینی جیسے خود پینے کی کوشش کی اور وہ ہنس پڑا۔

"کیا اسے پتا ہے" وہ قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے بہت اچھا لگتا ہے۔"

اس نے سوچا اور وہ کراہ کر پھر سے تکیے پر سر ڈال کر لیٹ گیا تھا۔

"جو چیز استعمال نہیں ہوگی اسے فنگس تو لگے گا نا بقول بابا کے مجھے زندگی گزارنے کی سمجھ نہیں میں ہمیشہ ایڈیٹ قسم کی فیلنگز کی بات کرتا ہوں مجھے دونوں ہاتھوں سے زندگی کمانی نہیں آتی تو اچھا ہے میرے ساتھ جو ہوا سو ہونا ہی چاہیے تھا۔"

"آپ اتنا فضول کیسے سوچ لیتے ہیں؟"

اس کے ہونٹ ہلکا سا مسکرائے تھے "دیکھ لیجیے آپ کو بھی ایک شکایت ہو ہی گئی مجھ سے۔"

"یہ شکایت نہیں، بہت معصوم سا دفاع ہے آپ کی ذات کے لیے میرا۔"

"یہ آپ کو میری ذات کیوں یاد آگئی چار سال چھ ماہ میں شاید پہلی بار اتنی بے تکلفی سے ہم بات کر رہے ہیں۔"

"وہ بس ویسے ہی۔" اس نے سر جھکا لیا تھا۔

اور مونس شہباز نے دھیرے سے کہا تھا۔

"آپ کو لگتا ہوگا۔ اسے اس کے گھر والے منہ نہیں لگاتے تو آپ کو کیا ضرورت ہے توجہ صرف کرنے کی، شاید میں ٹھیک طرح سے آپ کی جگہ بھی تو نہیں بنا سکا یہاں۔" پرملا شکوہ تھا اور شاید مونس شہباز نے پہلی بار کسی سے شکوہ کیا تھا اتنا اپنا بن کر۔

"کیا واقعی آپ کو لگا میں نے آپ کو قابل توجہ نہیں جانا۔" اس نے پتا نہیں کیوں جواب شکوہ کیا اتنے دنوں کا ابال وہ سمیٹ نہیں پائی تھی۔ اس خبر کے آگے اور مونس اس کی کیفیت پر مسکرانے لگا تھا۔

"چلیں میری بیماری کسی کام تو آئی۔ آپ کے شکوے گلے اور مجھ سے ناراضی ختم تو ہوئی' مجھے بھی احساس ہوا کہ کوئی تو مجھ سے دل سے روئے گی۔"

"آپ فضول نہ بولیں۔ کچھ نہیں ہوا آپ کو' سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ہاں شاید واقعی سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ تکیے پر سر ڈال کر لیٹ گیا تھا۔

اور سامیہ حسام الدین نے اسے پھر متوجہ کیا تھا۔

"کیا واقعی آپ کو لگا مجھے آپ کی پروا نہیں ہے ؟"

وہ مسکرانے لگا تھا کیونکہ وہ یہ جانتا تھا اس کے کمرے کی ہر چیز اگر ترتیب میں تھی تو وہ اسی لڑکی کے مرہون منت تھی۔ اس دیار غیر میں اگر کوئی تھا' جو اس کا اس گھر کے کسی نہ کسی کونے میں انتظار کرتا رہتا تھا تو وہ یہ لڑکی ہی تو تھی سامیہ حسام الدین جو دیکھنے میں کہیں سے قابل توجہ نہیں لگتی تھی اور وہ چیز تھی بھی کہاں وہ تو ایک بہت خاص انسان تھی — جسے اس کے دل نے پہلی بار دیکھ کر ہی اپنا مان لیا تھا۔

"آپ سو جائیں میں اب ٹھیک ہوں سامیہ' درد میں کافی کمی ہے۔"

"آپ واقعی ٹھیک ہیں نا۔" وہ ہراساں ہو گئی تھی۔

"جی میں واقعی ٹھیک ہوں۔ آپ سو جائیں ملتے ہیں نا انشاء اللہ!" سامیہ اٹھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

سامیہ حسام الدین کے پہلے قدم اور پہلی آمد اور اپنی زندگی میں یاد آ کر رہ گئی تھی' جب یہ لڑکی اس کے پاپا کے ساتھ کھڑی تھی اور اس کی امی اپنی پورشن سے چلا چلا کر بات کر رہی تھیں۔

"عجیب لوگ ہیں تین' تین بھائیوں کے ہوتے ہوئے ایک بہن نہیں سنبھال سکتے۔ اماں جی کیا مریں ہمارے لیے تو زندگی ہی عذاب کر دی ہے' اب کسی لڑکی کی ذمہ داری لینا آسان ہے کیا' پردیس میں لڑکی آ کر آنکھیں چار کرلے' ہمارے کہنے سننے میں نہ رہے تو ہم تو مفت میں بدنام ہو جائیں گے نا صفیہ! یہ غریب رشتہ دار بھی بس جان کا عذاب ہوتے ہیں کاش ہم بھی گوروں کی طرح اپنے رشتوں سے مکر سکتے مگر بہن مشکل یہ ہے کہ ہمارا خون چاہ کر بھی سفید نہیں ہو سکتا۔ اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بھی تو قرابت داری نبھانا سکھاتا ہے۔"

اور اس کی آنکھیں جیسے ندی کی باڑ توڑ کر بہنے کو بے تاب ہو اٹھی تھیں۔

اس دن وہ گھر میں تھا آج یونیورسٹی سے چھٹی کی تھی۔

"یہ سامیہ حسام الدین ہیں آپ کی کزن۔"

"مونس شہباز کو پتا تھا پاپا یہ اطلاع اسے نہیں اپنی بیٹی ارم اور ساری توجہ کے مرکز عمر شہباز کو دے رہے ہیں مگر اس نے یہ اطلاع چپکے سے نوٹ کر لی تھی اور آج یہ لڑکی اس طرح اس کے سامنے بہت ان کہے جذبوں کو بہت ان کہے انداز میں سمیٹے بیٹھی تھی۔

"مجھے وہ دن نہیں بھولتا' جب تم یہاں آئی تھیں۔"

اس نے سوچنے کی اداکاری کی حالانکہ اسے وہ دن آج بھی پورے سیاق و سباق سے یاد تھا۔ گلابی رنگ کے سوٹ میں اس کا رنگ نکھرا لگ رہا تھا۔ یہ دادی کی پسند تھی اور یہاں آنے کے لیے یہی واحد سوٹ نیا سلا ہوا تھا' سو اس نے نہا کر پہن لیا تھا مگر یہاں گلابی گلابی رنگتیں اسے خوامخواہ کنفیوز کر رہی تھیں۔

وہ سانولی سلونی تھی مگر یہاں وہ کالی لگ رہی تھی اس نے ڈرتے ڈرتے ارم سے ہاتھ ملایا۔ اس کی مخملیں جلد نے اس کے ہاتھ کی سنولاہٹ پر مسکراہٹ انتہائی ایسا لگا تھا اسے' ورنہ سامنے کھڑی لڑکی کے چہرے پر نہ بے زاری تھی' نہ گرم جوشی۔

صرف دینے پاپا کی وجہ سے اس محبت بریڈ میں شامل کھڑی تھی' ممانی زینب کی صفیہ مامی سے کی جانے والی باتوں کو غور سے سن کر اپنے وجود کا اہمیت کا اندازہ ہو گیا تھا سامیہ حسام الدین کو۔

"جوس۔" وہ صوفے پر بیٹھی تھی جب ایک مسکراتے چہرے نے دل سے اس کو روحانی طور پر گلے لگایا' اس کے چہرے کی مسکراہٹ بہت جان دار تھی بہت دوستانہ سی۔

"آج آپ گھر میں کیسے پائے جاتے ہیں۔" کالج بوائے عمر شہباز نے طنز کیا۔

اور وہ مسکرایا۔

"جہاں اچھے اور خوبصورت لوگوں کے ملنے کا موقع ہو میں اپنی مصروفیت میں سے وقت نکال ہی لیتا ہوں کل ذکر سنا تھا کہ کوئی جھونکا بہار کا آنے والا ہے' میں نے سوچا ہم بھی تو ملیں پاکستان کی اس دلاری سامیہ حسام الدین سے۔"

وہ اس وقت تینوں ہی بچے تھے اس لیے وہ کھل کر بول رہا تھا اور سامیہ حسام الدین خاموشی سے اس کے ہونٹوں کی جنبش کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ بالکل بڑے بھیا کی طرح بولتے ہیں۔"

عمر شہباز اور ارم ہنسنے لگے اور مونس شہباز جھینپ گیا۔

"آپ نے تو بھیا کا پروگرام ہی سبوتاژ کر دیا۔"

"مطلب عمر بھائی۔" وہ سہم گئی اور وہ مسکرانے لگا۔

"بکواس کرتا ہے یونہی آپ ساتھ رہیں گی تو آپ کو پتا چلے گا کہ اس گھر میں اگر کوئی بے کار کی باتیں نان اسٹاپ گھڑ سکتا ہے جھوٹ کی طرح تو وہ ہمارا عمر شہباز ہے۔"

"پلیز مونس بھائی۔" عمر شہباز نے آنکھیں دکھائیں اور وہ سہمنے کی اداکاری کرنے لگا۔ اسے یک دم لگا وہ اپنے ماضی میں چلی گئی ہے۔

وہ بڑے بھیا اور عاصمہ ایسے ہی تو باتوں کے چرخے گھماتے تھے کہ کبھی کبھی رات سے صبح کر جاتے تھے۔

"آپ گونگی ہیں یا چپ کا روزہ رکھا ہے۔" مونس نے ہنس کر کہا اور تب وہ مسکرائی تھی۔

"میں بہت کم بولتی ہوں۔ ہاں آپ مجھے ایک اچھا سامع سمجھ سکتے ہیں۔"

"پھر میرے لیے ایک اچھی خبر ہے۔ مجھے بولنے کا بہت شوق ہے۔" وہ قریب آ بیٹھا تھا' وہ سکڑی سمٹی بیٹھی تھی مگر اس کا دوستانہ رویہ اسے تسلی دے رہا تھا۔

"ماموں جان کہاں گئے ہیں۔" بہت ہلکی نم آواز برآمد ہوئی حلق سے پتا نہیں اسے بار بار رونا کیوں آ رہا تھا۔

مونس اسے دیکھے جا رہا تھا۔ عمر اور ارم جا چکے تھے وہ قطعی مونس کے رحم و کرم پر تھی۔

"آپ اتنا کیوں گھبرا رہی ہیں سامیہ! میں کوئی شیطان نہیں ہوں۔"

"ماموں۔" وہ بس اتنا کہہ سکی' تب مونس شہباز نے اس کا سامان اٹھایا تھا "یہ آپ کے ماموں کا گھر

ہے' یہاں آپ کو رہنے کا اتنا ہی حق ہے' جتنا میرا۔" وہ اٹھی تھی مگر زینب ممانی کے تیور دیکھ کر وہ پھر سے ڈر گئی تھی۔

"اگر میرے اختیار میں ہو تو میں کبھی بھی تمہیں یہاں رہنے کا حق نہ دوں ہر لمحے ایک اذیت ہوتی ہے مجھے' تمہیں دیکھ کر میرا دل چاہتا ہے میں تمہارا ہاتھ پکڑوں اور ہر رشتے ہر محبت سے آزاد کر دوں۔"

مونس شہباز مسکرایا تھا پھر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا تھا۔

"اور میں چاہتا ہوں میں ہمیشہ اس محبت پلس اذیت میں قید رہوں۔ میں آپ سے دور نہیں رہنا چاہتا ماما!"

"اور مجھے تمہارے ساتھ رہنا دشوار لگتا ہے۔" انہوں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"چلیں' ناپسندیدہ ہی سہی میرے لیے یہی کافی ہے کہ میری ذات آپ کے لیے آپ کی ذات میرے لیے ضروری ہے' تھی اور رہے گی۔"

وہ زرد چہرے سے ماں بیٹے کی اس گفتگو کو دیکھ رہی تھی' تب اس نے مڑ کے کہا تھا۔

"سامیہ چلیے میں آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں۔"

"یہ کوئی گیسٹ ہاؤس نہیں ہے کہ میں اسے الگ کمرہ دوں۔" اس کے ہاتھ ٹھنڈے پڑ گئے تھے اور مونس کا چہرہ پھیکا۔

"ماما! میں اپنا کمرہ انہیں دے دوں گا۔ سارا دن تو میں باہر رہتا ہوں' سونا ہوگا تو کہیں بھی لیٹ کر سو جاؤں گا میرے نخرے نہیں ہیں۔"

"تو اس کے نخرے بہت ہیں' کبھی اپنے گھر میں بھی الگ کمرے میں سوئی ہے یہ' مجھے اتنے مزاج پسند نہیں۔"

"میں نے تو کچھ نہیں کہا ممانی! آپ جہاں کہیں گی' میں وہاں رہ لوں گی۔" میری آواز نے اس کے زندہ ہونے کا پتا دیا' ورنہ مونس نے کوئی دل تھا جو اندر مرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ اس کا پوری طرح ساتھ دینا چاہتا تھا مگر وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے ماں بیٹے میں کوئی جنگ چھڑ جائے۔ "وہاں انیکسی میں گل کے ساتھ رہ لو۔"

"ماما گل شادی شدہ ہے۔" وہ حیران ہو گیا تھا اس فیصلے پر لیکن زینب ممانی دو ٹوک لہجے میں بولی تھیں "انیکسی میں چار کمرے ہیں دو گل کے پاس ہے۔ دو خالی ہی پڑے رہتے ہیں۔ یہ ان میں سے کسی ایک کمرے میں شفٹ ہونا چاہے تو ہو سکتی ہے باقی اس کی مرضی ہے صرف شہباز ہی اس کے اکیلے ماموں نہیں ہیں۔" اس جملے پر اس کی روح فنا ہونے لگی تھی باقی دونوں ممانیاں زینب ممانی سے کہیں زیادہ جلاد تھیں ایک کو تو وہ پاکستان میں چھوڑ کر آئی تھی اور ایک یہاں ہی رہتی تھیں' ممانی اذیت پسند' ذلیل کرنے میں ماہر۔

وہ اپنا سوٹ کیس گھسیٹتی ہوئی پارک سے گزر کر انیکسی کے سامنے کھڑی تھی۔

سامنے کھڑی عورت اسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہی تھی "تمہارا پاکستان میں کوئی نہیں تھا کہ جو یہاں چلی آئی ہو۔" اسے عجیب سے لگا تھا وہ ملازم ہو کر اپنے مالک کے لہجے میں بول رہی تھی' بند دروازے کے تالے کو اس نے ناپسندیدگی سے کھولا تھا۔ "جب سے تمہارے آنے کا مالکن نے سنا ہے تب سے زز زر کر رہی ہیں' میں بھی سوچتی تھی۔ ایسی کون لڑکی ہے جسے بیگم صاحب اتنا ناپسند کرتی ہیں کہ سمندر میں پھینک دینے کی بات کرتی ہیں تم اتنی بری تو نہیں ہو۔"

"تو کیا تمہیں اچھی لگ رہی ہوں۔" وہ بے حس بن کر ان سارے جملوں کی تلخی کو پی گئی اور وہ غور سے اسے دیکھنے لگی پھر نرمی سے بولی۔

"دیکھنے سے تو بہت اچھی لگتی ہو۔ باقی کوئی کسی کے اندر تو نہیں اتر سکتا۔"

"واقعی کسی کے اندر بہت اترنا بھی نہیں چاہیے کبھی کبھی چھوٹی چھوٹی باتیں بہت بڑی بڑی تکلیفیں بن جایا کرتی ہیں۔"

"وہ کم فہمی سے کندھے اچکا کر کمرے کی چیزوں پر ڈھکی چادریں اتارتے اسے دیکھنے لگی۔ "تمہاری کوئی

پسند کروں؟"

وہ مڑی پھر مسکرا کر بولی "میں اس وقت تمہارے ساتھ تمہارے برابر کھڑی ہوں' تمہیں یہاں ملازمت کرتے سات برس ہو گئے ہیں اور میں آج ہی رنگروٹ بھرتی ہوئی ہوں مجھے تم سے ہی سیکھنا ہے ملازم' مالک کبھی نہیں ہوتا گل!"

"آپ بہت سمجھ دار لگتی ہیں۔ سامیہ حسام الدین ہنس پڑی تھی' پتا نہیں خود پر یا زندگی پر پھر دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

"کوئی سمجھ دار نہیں ہوتا' زندگی خود سکھا دیتی ہے۔ اور جسے زندگی سکھاتی ہے' بہت صفائی سے سکھاتی ہے وہ ساری عمر نہیں بھولتا۔"

"جی صحیح کہا آپ نے۔" وہ "تو" والے تیور سے کر کھڑی تھی اور یک دم سے "آپ" کے باعزت خطاب سے نواز رہی تھی مگر وہ ان باتوں پر زیادہ تر دھیان نہیں دینا چاہتی تھی۔ اس لیے خاموشی سے اس کمرے کو سمیٹ رہی تھی مگر وہ نا رہی تھی فرنیچر نے اپنی مرضی سے چیزوں کی ترتیب بدل رہی تھی یہاں تک کہ کمرے کی گرد ہٹی تو وہ خود بھی گرد گرد تھی اور اسی وقت گل اس کے لیے ٹرے میں کھانا لے کر آئی تھی مگر یہ وہ کھانا نہیں تھا جس کی مہک انیکسی کے کچن میں پھیلی ہوئی تھی۔

"زینب ممانی نے بھیجا ہے۔" وہ بیسن پر ہاتھ منہ دھوتے ہوئے بولی پھر انگلی سے تولیہ اتار رہی تھی کہ اس کی خاموشی پر پلٹ کر دیکھا۔

"آپ نے کچھ بولا نہیں گل۔؟"

وہ اس کی خاموشی کو معنی پہنانے لگی تھی' تب اچانک مونس شہباز کمرے میں داخل ہوا تھا اور اسے پتا چلا تھا یہ صرف مونس شہباز کا جذبہ خیر سگالی تھا ورنہ زینب ممانی کے لیے اس کی اہمیت ملازمہ کے برابر یا شاید اس سے کئی درجے کم تھی کیونکہ گل کے پاس ان کے گھر میں نوکری کرنے کا سات سالہ تجربہ تھا جب کہ وہ آج ہی آئی تھی۔

"گل! یہ آپ کھا لیں مجھے سی فوڈ کی عادت نہیں۔ آپ نے جو دال بنائی ہے۔ وہ لا دیں پلیز۔"

مونس اسے دلچسپ نظروں سے دیکھتا رہا۔ گل کھانا اور سلاد ساتھ لائی تھی۔

"سلاد نہیں' ایک پیاز ملے گی' مجھے صرف پیاز کے ساتھ ہی دال اچھی لگتی ہے۔"

گل بھی تھکی ہوئی تھی مگر وہ پھر بھی اٹھنے کے پوز میں تھی کہ مونس کچن سے پیاز پلیٹ اور چھری لے آیا تھا۔ گل اور وہ منع کرتی رہ گئیں مگر مونس شہباز پیاز کاٹنے لگا تھا یہ اور بات کہ اس کی دھواں دار برستی آنکھوں نے سامیہ کو شرمندہ کر دیا تھا۔

"آپ نے ناحق تکلیف کی مونس صاحب۔" وہ کھانا کھاتے ہوئے نرمی سے بولی اور اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دے پاتا۔ زینب ممانی سامنے آ کھڑی ہوئی تھیں۔

"تمہیں انیکسی میں بھیجنے کا مطلب تھا کہ تمہیں اپنی اوقات یاد رہے۔"

انہیں ارم نے کچن سے کھانے کی ٹرے لے جاتے مونس کی بابت بتا دیا تھا۔ تب ہی وہ تن فن کرتی یہاں آئی تھیں مگر سامیہ کو دال سے روٹی کھاتے دیکھ کر ان کا موڈ خراب ہو گیا وہ تو بہت سارا غصہ کرنے کا سوچ کر آئی تھیں اور واپس پلٹ جانا ان کے مزاج کے خلاف تھا اس لیے پھر بھی اپنے غصے کی دھاک بٹھانے کو ایک جملہ کہہ دینا ضروری سمجھا تھا اور وہ سامیہ حسام الدین تھی یک دم اٹھ کر ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"آپ نے جس طرح محبت سے مجھے اس بے دیاری میں اپنائیت' محبت اور سلوک سے اپنے گھر میں پناہ دی ہے یہ میرے لیے اعزاز کی بات ہے ممانی! میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی اور کوشش کروں گی کہ یہ بار آپ پر بہت دیر تک برقرار نہ رہے۔"

مٹھاس میں گھلا اس کا مزاج مونس شہباز کے اندر کئی قہقہے ابل کر اپنی موت آپ مر گئے تھے اور زینب ممانی کا منہ اتنا سا نکل آیا تھا اور سامیہ حسام الدین تھی کہ اب ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مزید مٹھاس سے بولی

تھی۔

"مجھے اپنی اوقات' اپنا حسب نسب کبھی نہیں بھولتا زینب ممانی! میں کہیں سے بھی کہیں چلی جاؤں نہیں بھول سکتی کہ میرے ابا کے مرنے کے بعد اگر کسی نے میری اماں کی مدد کی تھی تو وہ صرف آپ اور شہباز ماموں ہی تھے' میں بھی نہیں بھول سکتی کہ میرا ہاتھ ہمیشہ لینے والا ہاتھ رہا ہے اور آپ کا ہاتھ ہمیشہ دینے والا ہاتھ رہا ہے۔"

بات سنجیدگی کی طرف چلی گئی تھی اس بار مونس کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا اس نے کہا تھا۔

"پاپا نے جو کیا' وہ آپ کا حق تھا سامیہ!"

"اس کی ماما نے کینہ توز نظروں سے مونس شہباز کو گھورا تھا۔

"کسی کا کسی پہ کوئی حق نہیں ہوتا مونس صاحب! یہ تو آپ کے دل کی نرمی' آپ کے اندر کی اچھائی ہے' جو آپ کسی رشتے کو عزت و توقیر دیتے ہو۔ اس رشتے کو زندگی کی طرح نبھاتے چلے جاتے ہو بھلے وہ رشتہ آپ کے لیے کتنا ہی باعث تکلیف رہا ہو۔" وہ تلخی کی حد تک سچائی پسند لڑکی تھی۔ اور تب اچانک اس کے دل نے سامیہ حسام الدین کو کچھ سیڑھیاں اور اپنے دل میں اترتے محسوس کیا تھا۔ زینب ممانی بدمزہ ہو کر جا چکی تھیں اور مونس شہباز اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"آپ مما کو غلط مت سمجھیے گا بس غصے کی تیز ہیں دل کی بہت اچھی ہیں وہ۔"

"مالک کا مزاج تیز ہو یا بہت تیز۔ ملازم کا کام سر جھکا کر سننا ہوتا ہے مونس صاحب۔"

مونس شہباز کو لگا' وہ ایک منٹ کے ہزاروں حصے میں اس سے بہت دور جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ مالک اور ملازم کا رشتہ۔ اس کے دل میں اس کی آنکھ کا دکھ پھانس کی طرح چبھنے لگا تھا' ایک لڑکی اس کے دل کے کونے میں کھری باتوں کی بارش میں بھیگنے لگی تھی۔

"آپ ہماری کزن ہیں۔ ملازمہ نہیں۔ سامیہ! آپ اپنے دل کو منفی رخ کی طرف مت لے جائیں۔ اس گھر پر جتنا حق میرا ارم اور عمر کا ہے۔ اتنا ہی آپ کا ہے' آخر کو آپ کے پاپا نے اس کامیابی کی بنیاد میں اپنے خواب دبائے تھے۔"

"آپ تو دل رکھنے میں مبالغہ آرائی میں حد سے ہی گزر جاتے ہیں مونس صاحب۔" وہ ہنسی تھی مگر مونس کو لگا وہ رو پڑی تھی۔

"آپ آرام کریں۔ ہم کل ملیں گے۔"

"جی ضرور۔" وہ سرہلا کر ٹرے کچن میں رکھنے چلی گئی تھی اور مونس شہباز نے اس کی پشت کو دیکھا تھا اور محسوس کیا تھا کہ کوئی ناراض سا دل تھا جو زندگی کے سورج کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو گیا تھا وہ گہرے اور لمبے سائے گننے لگا تھا۔

مگر اسے اس گہرے لمبے سایوں سے نکال کر زندگی سے متعارف کرواتا تھا۔ وہ عزم کر کے لوٹا تھا۔

☼ ☼ ☼

غیر متوقع ماما کو اپنے کمرے میں پا کر حیران رہ گیا تھا۔

"تم آخر میرے مخالف چلنے کو ہی سب کچھ کیوں سمجھتے ہو۔"

"ماما! میں آپ کے مخالف کبھی نہیں چلا ہوں۔ میں تو صرف اسے تسلی اور ڈھارس دینے گیا تھا کہ وہ خود کو اکیلا نہ سمجھے۔"

"وہ تمہاری ذمہ داری نہیں ہے۔ نہ ہی وہ کوئی چھوٹی سی بچی ہے' بائیس' تئیس برس کی لڑکی ہے' ہم صرف کچھ عرصے اسے یہاں رکھیں گے اور پھر کہیں نہ کہیں اس کی شادی کرا کے اس عذاب سے چھٹکارا پانے کی کوشش کریں گے۔ اس لیے تمہیں سمجھانے آئی ہوں کہ اس سے زیادہ میل ملاپ بڑھانے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں ہر ایک سے انوالو ہونے کی جو بری عادت ہے اس سے جان جاتی ہے میری۔"

وہ سر جھکا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ "محبت کرنا کیا میری عادت ہے ماما! کسی کا خیال رکھنا' پرواکرنا جب کہ وہ ہمارا اپنا ہو۔"

"تمہیں تو دنیا کا ہر شخص اپنا ہی لگتا ہے پاکستان میں بھی یہی حالت تھی اور اب یہاں آ کر ہر پاکستانی تمہیں اپنا بھائی بہن لگتا ہے۔ تم نے اس بے وقوفی میں جتنا پیسہ ضائع کیا ہے۔ اس سے کئی بزنس شروع ہو سکتے تھے۔"

"بزنس ہی سب کچھ نہیں ہوتا ماما! انسانیت بھی کوئی چیز ہے پھر آپ جانتی ہیں جب میں کسی پاکستانی کو مجبور اور بے کس دیکھ کر اس کی مدد سے نہیں چوکتا تو میں سامیہ سے کیسے دور رہ سکتا ہوں' وہ تو ہماری پھوپھو کی بیٹی ہے۔ پاپا کے لیے اگر کسی نے قربانیاں دی ہیں تو وہ پھوپھی جان ہی تھیں۔ آپ کو یاد ہے جب پاپا کے بزنس میں نقصان ہوا تھا' ہمارا گھر بک گیا تھا ہم انگلش اسکول سے ایک دم سے گورنمنٹ اسکول میں کھڑے کر دیے گئے تھے تو پھوپھو جان ہی تھیں' جنہوں نے اپنا زیور بیچ کر پاپا کو نئے سرے سے کاروبار کے لیے پیسہ دیا تھا پھر جب پاپا کو انگلینڈ آنے کے لیے سرمایہ کم پڑ رہا تھا تب بھی انہوں نے سامیہ کے جہیز کے لیے انکل کی فکس ڈپازٹ میں رکھی ہوئی رقم کو نکال کر پاپا کا مسئلہ حل کیا تھا اور اب اگر آج ہم اس مقام پر ہیں تو یہ سب اسی لڑکی کے نصیب کا ہے۔"

وہ کہتے کہتے مڑا مگر ماما وہاں تھیں ہی نہیں۔

"پتا نہیں ماما! آپ کو ہر اس شخص سے کیوں چڑ ہو جاتی ہے جو آپ کا خیر خواہ' آپ کا سچا دوست ہوتا ہے۔"

☼ ☼ ☼

وہ بیڈ پر آ کر بیٹھا تھا پھر سونے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اس کا دروازہ بجا۔

"اندر آ جائیے۔ پلیز دروازہ کھلا ہے۔"

اس نے کتاب ہاتھ سے رکھ دی تھی اور پانچ سیکنڈ بعد پاپا کھڑے تھے ان کا چہرہ اچھے تاثرات نہیں رکھتا تھا۔

"جی پاپا خیریت؟" وہ یک دم کھڑا ہو گیا تھا۔

اور پاپا اس کے کمرے کے صوفے پر بیٹھ گئے تھے پھر آہستگی سے بولے "میں سمجھتا تھا آپ میرے بچوں میں سب سے سمجھ دار بچے ہیں مگر کیا آپ کو پتا ہے آپ کی زبان کی تیزی کی وجہ سے آپ کی ماں کے دل کے زخموں میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔"

مونس کا چہرہ اتر گیا۔ "میں نے انہیں کچھ بھی نہیں کہا پاپا آپ کو پتا ہے میں ہمیشہ چپ رہتا ہوں۔"

"ہاں مگر جب بھی آپ بولتے ہو' بہت سارے چہروں پر زخم اور تکلیف چھوڑ جاتے ہو۔"

"ماما نے کیا شکایت کی میری؟"

"وہ آپ کی ماما ہیں' وہ شکایت کیوں لگائیں گی۔ آپ اپنی ماما کو اپنا دشمن کیوں سمجھتے ہیں۔ وہ آپ کی سگی ماما ہیں اگر آپ کو کچھ کہتی ہیں کچھ سمجھاتی ہیں تو آپ کے بھلے کے لیے کہتی ہیں تاکہ آپ ان کی ہر بات کو غلط کیوں لے جاتے ہیں۔ آپ نے اپنی ماما سے یہ کیوں کہا کہ سامیہ کے نام پر ڈپازٹ کیے پیسوں سے میں یہاں انگلینڈ آیا تھا آپ کو یہ بات کیسے پتا چلی؟"

"دادا جان سے سنی تھی۔ ایک بار وہ آنٹی صفیہ کے لیے بہت پریشان ہو رہے تھے۔"

پاپا نے اسے نظروں میں رکھ کر ایک گہری سانس لی تھی۔

"کچھ چیزیں ساری عمر نظروں سے اوجھل رہیں' یہی اچھا ہے' آپ کو پتا ہے آپ کی ماما کی انا کتنی توانا ہے' ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی دوسرے بھائیوں کے پکے ہوئے کھانوں کی ڈش میں سے ایک چمچہ نہیں لیتی تھیں جب تک دوسری بھابیاں منتیں کر کے ان کی پلیٹ میں سالن نہ ڈال دیتیں پھر ان کے لیے یہ بات کتنی سوہان روح ہوگی کہ وہ جو لائف اسٹائل جی رہی ہیں' اس کے لیے بنیاد سامیہ کے پیسوں سے رکھی گئی ہے۔ آپ کو پتا ہے آپ نے جلد بازی میں اس بچی کے لیے زندگی اور مشکل کر دی ہے۔ اب آپ کی ماما بلاوجہ اسے اٹھتے بیٹھتے باتیں سنانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیں گی۔"

"میں تو صرف یہ چاہتا تھا' ماما اس بے دیار لڑکی کی قدر کرنے لگیں۔"

پاپا نے گہرا سانس لیا تھا' کچھ نہیں بولے تھے۔

"مجھے لگتا تھا میں اس لڑکی کو لایا ہوں تو وہ اپنے سلیقے اور محبت سے آپ کی ماما کا دل جیت لے گی پھر آہستہ آہستہ میں اس کے لیے حالات سازگار دیکھ کر آپ سے کے لیے مانگ لوں گا مگر آپ نے سارا کام خراب کر دیا ہے میرا۔"

مونس شہباز نے ہولے سے پاپا کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"سوری پاپا مجھے نہیں پتا تھا۔ آپ اتنی گہری نظر رکھتے ہیں اور اتنی طویل پلاننگ کرتے ہیں۔ مجھے تو ہمیشہ سے لگتا ہے کہ آپ کے لیے۔"

وہ کہتے کہتے چپ ہوا اور پاپا تھکے تھکے انداز میں مسکرائے۔

"ہاں تمہیں تو یہی لگتا ہوگا تمہارے پاپا صرف پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں' ان کے لیے رشتے' ان کی اہمیت' انہیں نبھانا سب بے معنی سا ہے۔"

"نہیں پاپا ایسی بات نہیں ہے۔" مونس شہباز نے آواز اور دھیمی کرلی تھی کہ پاپا نے سر اٹھا کر کہا۔

"نہیں بات یہی ہے' تم ہی نہیں گھر کے ہر شخص کو ایسا ہی لگتا ہے کہ میرے لیے پیسہ' دولت ہی سب کچھ ہے مجھے نہ کسی کی ضرورت ہے نا کسی کی کمی محسوس ہوتی ہے امی اور ابا جان اور بہنوں کو بھی مجھ سے یہی شکایت تھی کہ میں نے صرف دولت کے پیچھے ہی دوڑ لگائی ہے میں نے کبھی ان کی کسی خوشی میں شرکت نہیں کی اور اپنے دکھ میں انہوں نے جان کر مجھے شریک نہیں کیا کہ میرے لیے یہ سب ضروری نہیں ہے پھر آپ کی ماما کا رویہ میرے لیے ہر جگہ سوالیہ نشان بنا رہا۔"

"آپ ماما کے لیے اتنا حساس بھی تو رہتے ہیں پاپا! وہ کچھ بھی غلط کریں صحیح کریں سچ کہیں' جھوٹ کہیں آپ ہر اس بات پر آمنا صدقنا کہتے ہیں تب ہی آپ سے منسوب لوگوں کی توجہ آپ کے لیے سوالیہ نشان بنی رہتی ہے۔"

پاپا نے سر اٹھا کے بے چارگی سے اسے دیکھا۔

"پتا نہیں میں جب بھی اسے روتے دیکھتا ہوں' میرے اندر طوفان آجاتے ہیں' میں پاگل ہو جاتا ہوں پھر میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں کیا نہیں کروں۔"

"پاپا! آپ کی یہ حساسیت پہلے تو اتنی شدید نہیں تھی ظفر بھائی کی زندگی میں تو میں نے گھر میں لڑائی جھگڑوں کے علاوہ کچھ نہیں دیکھا تھا۔ آپ ایک دوسرے سے عاجز تھے ایک دوسرے کی شکل نہیں دیکھنا چاہتے تھے اور آپ ایک دوسرے کو طلاق دینے والے تھے۔"

پاپا کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔ رنگ اڑ گیا تھا ان کا۔ وہ اس کی طرف مڑے تھے۔

مونس کو لگا وہ جان کر "اسموک اسکرین" درمیان میں لائے تھے' تاکہ وہ ان کے چہرے کے ٹھیک تاثرات نہ دیکھ سکے۔

"تمہیں یہ کس نے بتایا تھا کہ ہم میں علیحدگی ہونے والی تھی۔"

اس نے بہت تھکے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

"ظفر بھائی نے بتایا تھا' اس دن آپ دونوں میں روز سے زیادہ جھگڑے ہوئے تھے۔ ظفر بھائی مجھے اپنے قریب بٹھائے میتھس کے سوال حل کروا رہے تھے اور میں بار بار غلطی کر رہا تھا۔ وہ مجھے ڈانٹ رہے تھے کہ میں ان کی بات کیوں نہیں سمجھ رہا میں آپ کی چنگھاڑوں سے ڈر رہا تھا۔ میں رونے لگا تھا۔ تب ظفر بھائی نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا تھا اور بولے تھے۔

"تم بہت بہادر بچے ہو اور بہادر لوگ ہر طرح کے حالات کے لیے تیار رہتے ہیں۔"

"میں نے کہا' کیسے حالات؟"

تو بہت اذیت بھرے لہجے میں بولے تھے "شاید ہمارے ماما' پاپا بہت دیر تک ساتھ نہ رہیں' ہوسکتا ہے وہ الگ ہو جائیں' مگر میں تیار ہوں اس پوزیشن کے لیے' بلکہ پہلے سے زیادہ پرسکون ہو کر پڑھائی کرسکوں گا' پھر یہ ہنگامہ' لڑائی نہیں ہوگی۔ ہمیں دونوں میں سے کسی ایک کو چننا پڑے گا۔ میں پاپا کا نام ریفر کروں گا' مگر کچھ عرصے کے لیے جب میں معاشی طور پر مضبوط ہو جاؤں گا تو میں ان سے بھی الگ ہو جاؤں گا اور تمہیں بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

"مگر دادا' دادی اور چاچو؟" میں نے اگلا سوال کیا اور انہوں نے دکھ سے کہا۔

"کوئی نہیں ہے ہمارا' اپنے ذہن کو پہلے سے تیار کرلو۔ ہر رشتہ پاپا سے ہے' جب پاپا ان کے لیے کچھ نہیں ہیں اور وہ پاپا کے لیے کچھ نہیں ہیں تو بہتر ہے ہم خود کو ابھی سے اکیلا ہونے کا عادی کریں اور اپنی زندگی کی ایک نئی شروعات کریں' جہاں صرف تم میرے لیے اور میں تمہارے لیے ہوں اور باقی کچھ نہیں ہے' کیا تمہیں دادی کا رویہ ٹھیک لگتا ہے؟ وہ پاپا سے ہر شکوہ شکایت کا بدلہ مجھ سے جس طرح اگنور کرکے لیتی ہیں' مجھے نہیں اچھا لگتا' میری توجہ اور محبت کو بھی جب وہ غلط سمجھتی ہیں تو میرا دل چاہتا ہے میں یہ گھر چھوڑ دوں۔"

"وہ یہ سب کہتا تھا تم سے اور میں سمجھتا تھا وہ میرا عاشق زار ہے۔ اسے میرے بغیر نیند آتی ہے نا کھانا کھایا جاتا ہے' وہ راتوں کو جس طرح میرا انتظار کرتا تھا' ایسا انتظار تو کبھی زینب نے نہیں کیا تھا میرا اور آج مجھے اتنے سالوں بعد پتا چل رہا ہے کہ وہ مجھ سے نفرت کرتا تھا۔"

پاپا کے چہرے کا ہر رنگ جیسے آہستہ آہستہ مرنے لگا تھا۔ سو وہ اٹھ کر ان کے قریب آگیا تھا۔

"وہ جذباتی تھے پاپا! آپ تو جانتے ہیں' آپ مجھ سے بھی اس لیے ہی تو ڈرتے ہیں کہ میں بھی صرف جذبات کو اہمیت دیتا ہوں' حقیقت پسندی نہیں ہے مجھ میں۔"

پاپا کچھ نہیں بولے تھے' خاموشی سے مونس شہباز کو دیکھتے رہے تھے پھر نرمی سے بولے تھے۔

"کیا آپ اپنی ماما سے سوری کرلیں گے مونس! یہ درخواست ہے حکم نہیں۔"

"پاپا! ایسے تو نہ کہیں۔ آپ کو حکم دینے کا اختیار ہے مجھ پر۔" اس نے پاپا کے ہاتھ کو چوما تھا اور پاپا پشت موڑ کر چلے گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ ماما کے کمرے میں گیا تھا' ان کی بڑی بڑی غلافی آنکھیں رو' رو کر سوج گئی تھیں۔

"کیا کر رہی ہیں ماما؟" ماما نے اسے دیکھ کر خوامخواہ اپنی الماری کھول لی تھی' اپنے تہہ کیے کپڑوں کو پھر سے تہہ کرنے لگیں۔

"ماما ادھر دیکھیں نا میری طرف۔" اس نے ماما کو کندھے سے تھاما تھا اور وہ بپھر گئی تھیں۔ "چھوڑ دو مجھے مونس! مجھے نہ تم سے بات کرنی ہے نا مجھے تمہاری طرف دیکھنا ہے۔"

"میں اتنا برا بھی نہیں ہوں ماما! ادھر دیکھیں تو' لڑکیاں تو آپ کے بیٹے پر سو جان سے فدا ہیں اور آپ ہیں کہ اپنے بیٹے کو لفٹ ہی نہیں کراتیں۔"

"تمہیں پتا ہے مجھے تم سے بات کرنے میں بھی انٹرسٹ نہیں رہا ہے۔" انہوں نے اس کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"کیوں نہیں ہے آپ کو مجھ میں انٹرسٹ۔ میں آپ ہی کی اولاد ہوں مام؟" وہ کہنے کچھ آیا تو کسی اور ہی مسئلے میں الجھ گیا تھا۔

"یہ بہت بڑی غلطی ہے ہماری کہ تم ہماری اولاد ہو۔" اتنا سخت کمنٹ سن کر وہ کھڑے سے بیٹھ گیا تھا۔

"اگر میں آپ سے کبھی دور چلا جاؤں تو آپ کو شاید اتنی بھی کمی محسوس نہیں ہوگی' جتنی یہ کرسٹل کے واز کو اگر آپ کے روم میں ڈائریکشن بدل کر رکھ دیا جائے تو آپ کو یہ بدلاؤ محسوس ہوگا۔"

"میرے پاس فضول باتوں کا جواب نہیں۔ ناولز کم سے کم پڑھا کرو۔ یہ جذباتی باتیں کتابوں میں اچھی لگتی ہیں۔"

"اوکے مام! میں آپ سے کتابی باتیں نہیں کروں گا' لیکن پلیز میں چاہوں گا کہ آپ کے آنسو جو میری وجہ سے نکلے ہیں' ان پر مجھے آپ معاف کردیں۔"

"میرے آنسو تمہارے لیے کب سے اہمیت رکھنے لگے ہیں؟" وہ الماری بند کرچکی تھیں اور اب اس کی طرف متوجہ تھیں۔

"آپ کے آنسو میرے لیے ہمیشہ سے اہم ہیں مام!

میں کوشش کرتا ہوں' میری بجہ سے آپ کو کبھی کوئی دکھ نہ پہنچے۔"

"ظفر کی محبت کے باوجود تمہیں ایسا لگتا ہے کہ میرے آنسوؤں کا سبب تم نہیں ہو۔"

"ماما! آپ بھول کیوں نہیں جاتی ہیں اس بات کو' وہ ایک حادثہ تھا ماما۔"

"کیا میں کچھ دیر سکون سے اکیلی بیٹھ سکتی ہوں۔" انہوں نے ایک دم سے ہی اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دیا تھا۔ لفظی طور پر ہی سہی مگر اسے ایسے ہی لگا تھا کہ اس کی ماں نے اسے ایک دم سے اپنی ممتا کے حصار سے باہر نکال دیا ہو' اور یہ دوری یہ اس کی ذات کا انکار ہمیشہ سے اسے ماما کی طرف سے ملا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ برسوں سے ماما کے اس اظہار ناراضی کو سہتا آرہا تھا۔ مگر آج بہت سوا درد ہوا تھا۔ وہ کمرے سے باہر آگیا تھا۔ پھر وہ گارڈن میں بیٹھا تھا' جب کوئی اس کے قریب آگیا تھا۔

"کافی۔۔۔" اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ یہ سامیہ حسام الدین تھی۔ اس نے کافی کا کپ تھام لیا تھا۔ "آپ کو بھی کافی کی عادت ہے۔"

"اور کس کو ہے؟" وہ اس کے برابر بینچ پر بیٹھ گئی تھی۔

"مجھے ہے' پاپا کو ہے' ظفر بھائی کو تھی۔" اس نے گھونٹ بھرا اور ایک دم سے اسے لگا' کافی کا گھونٹ بہت زہریلا ہو گیا ہے' اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا' اور وہ اس کی کیفیت سے بے نیاز آہستگی سے بولی تھی۔

"جب ظفر بھائی کا حادثہ ہوا' میں خالہ کے گھر تھی' بہت چھوٹی تھی' مگر میں نے سنا تھا' سرمد بھائی بھاگے ہوئے آئے تھے اور بہت بے قراری سے بولے تھے۔ امی ظفر چلا گیا۔ امی ظفر کی ڈیتھ ہو گئی۔" خالہ اس وقت سالن میں نمک ڈال رہی تھیں اور ان کے ہاتھ سے نمک کی بوتل چھوٹ کر پتیلی میں گر گئی تھی اور

میں نے اس لیے سوچا تھا' ظفر بھائی کے ساتھ کچھ بہت برا ہوا ہے۔ مجھے ظفر بھائی اس لیے ان چاکلیٹ کی وجہ سے زیادہ یاد آئے تھے' جو وہ ہر سنڈے کو میرے لیے لایا کرتے تھے۔ مجھے تو چاکلیٹ اور ان کی بائیک پر گھومنا ہی یاد آیا تھا' پھر جب پہلی بار میں نے انہیں خاموش لیٹے دیکھا تو مجھے حیرت ہوئی تھی۔

"اٹھیں نا ظفر بھائی۔ میں نے اٹھانے کی کوشش کی تھی اور وہاں سب کے رونے دھونے میں تیزی آگئی تھی۔"

"انہیں کیا ہو گیا ہے؟" میں نے امی سے پوچھا تھا وہ اور شدت سے رونے لگی تھیں۔

"آپ کے ظفر بھائی کو جانے کی جلدی تھی' وہ چلے گئے ہیں' ملک عدم۔" پاپا نے کہا تھا۔ اس روز میں نے سوچا تھا۔ "وہ بہت اچھی جگہ چلے گئے ہیں۔ انہیں گھومنے کا شوق بھی تو بہت ہے فرانس' مصر جیسا کوئی ملک ہو گا' مگر وہ تو کہتے تھے سویٹ ڈول تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا' جہاں بھی جاؤں گا۔ مگر وہ اکیلے چلے گئے تھے' مگر یہ ملک عدم کیسا ملک تھا کہ ظفر بھائی ہمیں نظر تو آرہے تھے' مگر سب کہہ رہے تھے وہ چلے گئے ہیں' شاید کوئی جادو نگری تھی وہ۔ میں بہت عرصے تک یہ ہی سمجھتی رہی' پھر جب ظفر بھائی کو دوبارہ کبھی نہ دیکھ کر میں نے پاپا سے پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ جو لوگ مر جاتے ہیں' وہ اللہ کے پاس چلے جاتے ہیں' ملک عدم وہی راستہ ہے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا اور ظفر بھائی بھی کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ اس دن میں سارا دن اور ساری رات روتی رہی تھی۔ اس دن مجھے پتا چلا تھا موت کیا ہوتی ہے۔ کسی کا چلے جانا کیا ہوتا ہے۔"

اس نے کہہ کر سر اٹھایا تھا اور مونس شہباز کی آنکھیں سمندر ہونے کے باوجود نہیں رو رہی تھیں۔

"تم نے اتنی تفصیل سے بتایا ہے کہ مجھے ہر منظر ایسا لگتا ہے جیسے ابھی ابھی یکدم سانس روکے کھڑا تھا اور ایک دم سے گہری سانس لے کر جینے لگا ہے۔"

"وہ دن میں نہیں بھول سکتا' چاہوں بھی تو نہیں'

ظفر بھائی زندگی سے جا کر بھی میری زندگی میں آج بھی زندہ ہیں' مجھے ان کے ساتھ رہنا اور جینا اچھا لگتا ہے۔ پتا نہیں آپ یقین کریں گی یا نہیں' لیکن میں نے ہمیشہ وہ ہی خواب جینے کی کوشش کی ہے' جو کبھی ان کے خواب تھے۔ آپ کو پتا ہے سامیہ! جب ظفر بھائی شاعری کی کوئی کتاب پڑھتے تھے تو مجھے وہ سب سے زیادہ برے لگتے تھے' میں جان جان کر اس لمحے اپنے اسکول کا ہوم ورک لے بیٹھتا وہ مجھے سوال سمجھاتے رہتے' ریڈنگ کرنے کو کہتے اور میں کند ذہن بن جاتا۔ وہ کتاب رکھ کر میرے پاس اٹھ کر آتے اور مجھے ان کی اس توجہ میں رہنا بہت اچھا لگتا' جب وہ کتاب رکھ دیتے تو مجھے ان کی ہر بتائی ہوئی بات آسان لگتی۔ شروع شروع میں ظفر بھائی میری یہ چال کی نہیں سمجھتے تھے مگر جب سمجھے تھے تو بہت ہنسے تھے۔"

"ذہنا پاگل ہے' مونس تو۔" انہوں نے ایک بار میرا چہرہ ہاتھوں میں لے کر کہا تھا اور میں نے کہا تھا۔

"ذرا تو ہوں' آگے کہیے۔"

"کتنی توجہ چاہیے تمہیں میری؟" وہ اس دن یکدم دنیا بن گئے تھے اور میں نے ان کی گود میں سر رکھ دیا تھا اور بہت دل سے کہا تھا۔

"مجھے ہر چیز سے زیادہ آپ کی محبت چاہیے' میرا دل چاہتا ہے آپ میری ایک ایک بات پر نظر رکھیں' مجھے ہر وہ دن اچھا لگتا ہے' جو آپ مجھے سوتے سے جگانے آتے ہیں' جب ماما کے نہ ہونے پر آپ میرے لیے آملیٹ بناتے ہیں' میرا دل چاہتا ہے میں آپ کے ہاتھ چوم لوں۔ آپ مجھے ماما لگتے ہیں۔" اور ظفر بھائی ایک دم سے کھلکھلا اٹھے تھے۔

"بہت پیار کرتا ہے مجھ سے؟"

"بہت زیادہ بھائی۔" میں نے جذب سے کہا تھا اور انہوں نے ایک دم سے مجھے دیکھ کر کہا تھا۔ "اگر کسی دن تجھ سے دور ہو جاؤں تو کیا کرے گا؟" میں ان کے سینے سے اور چمٹ گیا تھا۔

"میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گا بھائی! میں آپ کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتا' مگر نو برس کے مونس

کو نہیں پتا تھا کچھ عرصے بعد وہ اپنی ضد کے ساتھ اکیلا کھڑا ہو گا سامیہ! آپ نہیں جانتیں میں نے ہر ہر قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔ تب کہیں ظفر بھائی کے بغیر چلنا سیکھا ہے۔ اور پھر پتا نہیں مجھ میں کیسے ظفر بھائی کی پسند و ناپسند میرا مزاج بن گیا' ایک بار ظفر بھائی نے کہا تھا۔"

"جو باتیں تم کرتے ہو اتنی سی عمر میں' وہ ہی تو شاعری ہے' وہ ہی تو جذبہ ہے' وہ ہی تو محبت ہے اور تمہیں محبت کی بات کرنا آتی ہے تو محبت کی بات پڑھنے سے کیوں چڑ ہے؟"

"میں ابھی بہت چھوٹا ہوں بھائی۔" میں نے جان بچائی تھی اور انہوں نے کہا تھا۔

"میں چھوٹی کلاس میں تھا جب غالب کو پڑھنا شروع کیا تھا' میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا' میں اردو کی لغت پاپا کی لائبریری سے چرا کر چھپکے چھپکے شعروں کے مطلب دیکھا کرتا تھا' مجھے تب بھی کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا اور یہ ہی نہ سمجھ میں آنا میری ضد بن گیا۔ میں چیزوں سے' حالات سے' سچویشنز سے کبھی نہیں بھاگا' مجھے حالات کو اپنے حق میں کرنے کا حوصلہ ہے اور شوق بھی' تب مجھے لگا تھا میں جس کی محبت کی قسم کھا سکتا ہوں' وہ بہت مضبوط اور کبھی نہ مٹنے والا حصار ہے' مگر سامیہ! ہم جن لوگوں کے لیے سوچتے ہیں' وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں گے' وہ پتا نہیں اچانک ہاتھوں سے ریشمی ڈور کی طرح کیسے پھسل جاتے ہیں۔"

سامیہ نے ہولے سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا' اور خاموشی کی زبان میں کہا تھا۔ "میں آپ کے ساتھ ہوں مونس!"

اور اس نے بہت آہستگی سے کہا تھا۔ "کوئی ایسا وعدہ مت کیجیے گا' جو آپ نبھا نہ سکیں۔"

"میں بہت کم وعدے کرتی ہوں اور مونس! جو کم وعدے کرتے ہیں' وہ ہمیشہ سچا وعدہ کرتے ہیں۔" اس نے بڑے دل سے کہا' مگر دوسرا دن اس کے لیے اور پھر بہت سارے دن مل کر اس کے وعدے سے پھرنے کا راستہ بن گئے تھے

"میں نے اگر تمہیں مونس کے آس پاس قریب بھی دیکھا تو میں ساری رعایت، ساری مصلحت بھول کر تمہیں واپس پاکستان بھیج دوں گی۔"

"پاکستان۔" اس نے زیر لب بہت بے چارگی سے اس ملک کا نام لیا تھا جہاں وہ پلی بڑھی تھی، جہاں ساری عمر سچائی سے محبت کی تھی، محبت اوڑھی تھی، محبت جی تھی اور پھر وہ ہی پاکستان تھا، جہاں اس نے اپنے اندر سے محبت دفن کی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ کچن میں مصروف تھی، ملازمہ کے ساتھ مل کر، خاموشیاں اس کے ہم قدم چل رہی تھیں۔ اس کے قدموں میں صرف بے چارگی تھی اور پیروں کی ریکھاؤں میں جلاوطنی کا دکھ۔

"آپ بیگم صاحبہ کی سگی بھانجی ہیں؟" اس نے پلیٹ کو خشک کرتے کرتے پوچھا۔

"نہیں میں ان کی سگی بھانجی نہیں، رشتے کی بھانجی ہوں۔" اس نے جھوٹ بول کر اپنا بھرم رکھنے کی معصوم سی کوشش کی اور گل اس کو حیرت سے دیکھنے لگی۔

"میں صاحب کے پاس پندرہ سال سے ملازم ہوں۔ بیگم صاحبہ کو میرے کام کی عادت ہے، تب ہی وہ جب یہاں آئیں تو انہوں نے مجھے دو سال کے اندر اندر میرے شوہر کے ساتھ بلوالیا تھا اور گھر کی تصویروں میں، میں نے اکثر آپ کو بیگم صاحبہ کی فیملی کے ساتھ دیکھا ہے، جب بڑی بی بی، صاحب، بیگم صاحبہ کے گھر آیا کرتیں تو وہ آپ کا نام لے کر ہر وقت آپ کو یاد کیا کرتی تھیں، بتایا کرتی تھیں کہ آپ ان کا کیسا خیال رکھا کرتی تھیں۔"

"بہت محبتی تھیں اگر وہ مجھے اپنی اولاد جیسا سمجھتی تھیں۔" وہ اس حوالے سے صاف مکر گئی، اس لیے نہیں کہ زینب ممانی کا رویہ اس کے ساتھ برا تھا، بلکہ اس لیے کہ گل یہ نہ سمجھے کہ ان کے گھر کے لوگ اپنے غریب قرابت داروں سے اتنا ناروا سلوک کرتے ہیں، اس گھر کے لوگ جہاں دادی بیگم کی تربیت اور محبت نے کئی گھروں کے اندھیرے گھر میں سکون و آشتی کے دیے جلائے تھے، وہ اس وقت بھی صرف دادی کا بھرم اور مان نہیں ٹوٹتے دیکھ سکتی تھی۔

"پتا نہیں جی۔ مجھے تو یاد پڑتا ہے صاحب نے کہا تھا، آپ ان کی سگی بہن کی بیٹی ہیں۔"

"کہہ دیا ہوگا ماموں جان کو یوں بھی دل رکھنے کا بڑا شوق ہے نا۔" وہ پلیٹیں، ریک میں رکھ کر کچن سمیٹ کر زینب ممانی کے پاس ڈرائنگ روم میں آگئی تھی۔

"کوئی اور کام تو نہیں ہے ممانی؟"

"ہاں یہ وہ تین ساڑھیاں ہیں استری کرکے میری وارڈروب میں رکھو، پھر سونے چلی جانا۔"

ایک پرسکون نیند، پتا نہیں کتنے سالوں سے وہ ٹھیک طرح سے سو نہیں پائی ہے، اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی مگر جلتی آنکھوں نے اس کے اس حساب کا ساتھ نہیں دیا تھا۔

استری کرنا بہت مشکل کام لگتا تھا اسے مگر اسے یہ ہی مشکل کام کرنا پڑتا تھا، مگر ساڑھی استری کرنا مشکل ترین کام تھا وہ بھی زینب ممانی کی ساڑھی، جو نقص نکالتی تھیں، ٹھیک سے استری کے باوجود، وہ تیسری ساڑھی کو پھیلا رہی تھی کہ اچانک کمرے میں مونس شہباز داخل ہوا تھا اس کے ہاتھ میں برگر تھا۔

"تم نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا نا۔"

اس نے مڑ کر بے بسی سے دیکھا تھا۔ "نہیں یہاں سے نمٹوں گی تب ہی کھانا کھاؤں گی جاکر۔"

"اس وقت رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔ توبہ ہے سامیہ! آپ بھی نا اور یہ ماما بھی کتنی ظالم ہو جاتی ہیں کبھی کبھی۔"

"ارے انہوں نے کچھ نہیں کہا تھا۔ میں خود زبردستی یہ ساڑھیاں اٹھا کے لائی تھی۔"

"اچھا چلیں، آجائیں، ایک پاکستانی ریسٹورنٹ سے لایا ہوں، پودینے کی چٹنی کے ساتھ، کیچپ مجھے پسند نہیں ہے۔ اس لیے نہیں ڈالا ہے اس برگر میں۔"

"مگر مجھے کام کرنا ہے۔" وہ للچائی ہوئی نظر سے برگر کو دیکھ کر بولی۔

اور وہ ہنس پڑا، "آجائیں ماما اس وقت سونے کے لیے لیٹ چکی ہوں گی، آپ کھائیں، قسم سے پاکستان یاد آکر رہ جائے گا۔ سچ پوچھیں مجھے ہائی فائی شاپ کے مقابلے میں برگر ٹائم کے ٹھیلوں سے برگر لے کر کھانے کا شوق رہا ہے۔"

سامیہ کو ہنسی آگئی تھی، اس شخص کی تمنائیں اور پسند و ناپسند کتنی عام سی تھیں۔

"ہاتھ دھولوں۔" وہ منمنائی۔ اور وہ نفی میں سر ہلا کر بولا تھا۔

"ایسے ہی آجاؤ، ہاتھ دھونے باہر جاؤ گی تو پکڑی جاؤ گی اور پھر شیر کی اولادیں منہ ہاتھ کب سے دھونے لگیں۔"

بے ساختہ قہقہہ ابل پڑا تھا، وہ پلیٹ میں پودینے کی چٹنی سے برگر لگا لگا کر کھانے لگی تھی، بھوک میں تو سوکھی روٹی بھی اچھی لگتی ہے یہ تو پھر برگر تھا، کسی زمانے میں اسے بھی برگر کھانا کتنا پسند تھا، مگر! ایک لمحہ میں اس کی اپنی ہی بات سے گزر گئی، پھر یہ اس کا آخری نوالہ تھا کہ اچانک دروازہ کھلا اور بیٹھے ہوئے وہ دونوں حق دق رہ گئے۔

"یہ سب میرے گھر میں نہیں چلے گا! بی بی! بہت سنی ہیں میں نے تمہاری کہانیاں۔"

وہ شرم سے پانی پانی ہو گئی، تب مونس شہباز کھڑا ہو گیا۔

"آپ کو سامیہ پر اعتبار نہیں مگر میں تو آپ کا ہی بیٹا ہوں نا۔"

"ہاں تب ہی میں نے تمہارا ہر روپ دیکھا ہوا ہے۔"

"میں ماسک لگا کر نہیں گھومتا ماما! جیسا اندر سے ہوں ویسا ہی باہر سے ہوں۔"

"خوش فہمی ہے تمہاری، ورنہ دنیا میں اگر مجھے کسی پر اعتبار نہیں ہے تو وہ تم ہو۔"

"آخر میں نے ایسا کیا کر دیا ہے ماما! کہ آپ مجھ پر ہمیشہ بے اعتبار رہی ہیں۔"

"کیا یہ بھی تمہیں بتانا پڑے گا مسز ساحرہ کی بیٹی کی داستان لوگ ابھی نہیں بھولے۔"

"مگر وہ بات کلیئر ہو گئی تھی کہ ان کی بیٹی نے جھوٹ کیوں بولا تھا، جب ایرک نے خود اسے بلیک میل کر کرکے تھک گیا تو تنگ آکر سب کے سامنے کسی راز کی طرح فاش کر دیا تھا، آپ کی سوکالڈ کٹی پارٹی بہت یادگار رہی ماما۔"

"تم اپنی غلطی سے توجہ ہٹانے کی کوشش مت کرو۔"

"ماما! ہم برگر کھا رہے تھے اور بس۔ سامیہ کو بھوک لگ رہی تھی شدید۔"

"آخاہ! تو اب یہ الزام بھی سر تھوپو گی لڑکی کہ زینب ممانی تمہیں بھوکا رکھتی ہیں۔"

"نہیں تو زینب ممانی، میں ایسا کیوں کہوں گی، میرے لیے تو آپ فرشتہ ہیں۔"

"ہاں فرشتہ سب کے سامنے، ورنہ تمہارا دل جو مجھے ظالم، جلاد سمجھتا ہے، میں اچھی طرح سمجھتی ہوں یہ بات۔"

"پتا نہیں زینب ممانی آپ کا دل میری طرف سے کیوں صاف نہیں ہوتا، حالانکہ میں اسی طرح چلنے کی کوشش کرتی ہوں، جیسا آپ کو پسند ہے۔"

"لوگوں کو پرکھنے کا میرا الگ انداز ہے اور میں اس میں کسی کی ڈکٹیشن قبول نہیں کرتی، میرا دل کہتا ہے تم مجھے کہیں نہ کہیں دھوکا دو گی، تم اس گھر کی خیرخواہ نہیں ہو یہ میری رائے ہے۔"

"میں مانتی ہوں زینب ممانی! لیکن آپ یہ تو سوچیں میں آپ کو دھوکا کیوں دوں گی، کس کے لیے دوں گی، میں یہاں جلاوطن ہوں زینب ممانی! مجھے میرے گھر میں کوئی پسند کرتا ہے نہ مجھے اپنے ساتھ رکھنا پسند کرتا ہے، شہباز ماموں کا تو احسان ہے کہ وہ مجھے ایک بری زندگی سے بچا کے لے آئے، ممانی! قسم سے میں چاہوں بھی تو آپ کے سامنے سر اٹھا کر آپ کو دیکھ نہیں سکتی، میں اپنی ساری کشتیاں جلا کر یہاں آئی ہوں، آپ ہی بتائیے پھر میں اپنی پناہ گاہ کو خود اپنے ہاتھ

سے کیوں اجازتوں کی' جب سے زندگی نے حق' اختیار چھینا ہے' تب سے زندگی خاموشی اور سر جھکانے کا نام ہے میرے لیے۔"

"بس' بس میرے سامنے یہ کتابی باتیں مت کیا کرو' مجھے زہر لگتی ہیں ایسی باتیں۔"

"مگر آپ کو ظفر بھائی کی یہ کتابی باتیں' کبھی بری نہیں لگی تھیں ماما۔" اس نے سوچا کہ وہ کچھ نہ بولے اور واقعی اس نے اس بار بھی تلخی بھرا جملہ ہی کہا تھا۔

"ظفر تمہاری طرح تکلیفوں کی نمائش نہیں کرتا تھا' میرے اس بچے میں بہت ٹھہراؤ تھا' بہت کچھ ضبط کر لینے کا حوصلہ تھا' وہ تمہاری طرح اتھلا نہیں تھا کہ پھانس بھی چبھی تو ساری دنیا کو اپنے گرد تماشا کھڑا کر لو۔"

"میں ایسا ہوں ماما؟" مونس شہباز کی آواز یک دم مرنے سی لگی تھی۔

"میرا دل چاہتا تھا' کبھی آپ صرف آپ مجھ پر رائے دیں' میرے ظاہر اور میرے باطن میں جھانک کر مجھے دریافت کریں' مگر مجھے آج پتا چلا ہے میں آپ کے لیے ایک ٹھوکر پر پڑا ہوا پتھر ہوں' بس ایسا پتھر جس پہ نہ آپ توجہ دے سکتی ہیں' نہ توڑ سکتی ہیں' کیونکہ اگر میں ٹوٹ گیا تو آپ کے لفظوں اور آپ کی نفرت کا زہر کون پیے گا۔"

ماما نے نفرت سے اس کی طرف سے پشت موڑ لی تھی۔

☼ ☼ ☼

دوسری صبح بہت ہنگامہ خیز تھی۔

"یا تو اس لڑکی کو پاکستان بھیجیں یا پھر اس کو جلد سے جلد شادی کر کے اس گھر سے دفعان کریں۔" ان کا لہجہ بہت تیز' بہت سخت تھا' مگر شہباز صاحب سر جھکائے کسی بہت گہری سوچ میں گم تھے۔

"میں آپ سے کچھ کہہ رہی ہوں شہباز!" انہوں نے اس بار ان کا شانہ ہلایا اور وہ جھرجھری لے کر ان کی طرف خالی آنکھوں سے دیکھنے لگے۔

"زینب! اگر آپ کسی سے دل کی گہرائی سے محبت کرتے ہو' مگر آپ کو پتا چلے کہ آپ سے وہ شدید نفرت کرتا تھا' اتنی نفرت کہ اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ آپ کو کب کا چھوڑ کے جا چکا ہوتا' ہم جسے محبت کا بندھن سمجھتے ہوں وہ صرف مجبوری کا ساتھ ہو تو کیسا لگتا ہے؟"

زینب شہباز نے انہیں حیرت سے دیکھا تھا۔

"آپ کس کی بات کر رہے ہیں شہباز؟"

"ایک ناول پڑھ رہا تھا' کل عجیب سی کہانی تھی' دل پر بوجھ بڑھا گئی۔"

زینب یک دم ان کے پاس آ کر کھڑی ہو گئیں۔ "یہ آپ کب سے ان خرافات میں پڑ گئے' کہانیاں' ناول یہ تو بے کار لوگوں کے کام ہیں۔"

"ہاں مجھے پہلے یہ ہی لگتا تھا کہ ناول اور کہانیاں لکھنا' پڑھنا بے کار کا کام ہے' مگر کل پتا نہیں مجھے کیوں لگا کہ یہ سب کہانیاں ہمارے اندر سے جنم لیتی ہیں' ہماری طرح کے لوگ ہیں نہ کہیں وہ زندگی جی رہے ہوتے ہیں' جنہیں لفظوں میں لکھاری ترتیب دے رہے ہوتے ہیں۔"

"آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے۔ آپ تو بہت مضبوط اعصاب رکھتے تھے۔"

"مضبوط اعصاب۔" وہ خود پر طنزیہ ہنسے تھے' وہ تو دو رشتوں کے پاٹوں میں پس گئے تھے' تب ہی انہوں نے اپنے اعصاب کو آہستہ آہستہ بے حسی کی سمت موڑ دیا تھا تاکہ وہ دونوں فریقین کی دہائی کا استقامت سے مقابلہ کر سکیں' ورنہ شروع شروع میں وہ اماں کی شکایت پر زینب شہباز سے بدسلوکی کر ڈالتے تھے اور کبھی بیوی کے کہنے پر ماں سے جھڑپ کرنے جا پہنچتے تھے۔ بہت سال تک یہ ہی چکر چلتا رہا' مگر ظفر کے زندگی سے چلے جانے کے بعد ان میں ایک بہت بڑی تبدیلی آئی تھی' انہیں لگا تھا وہ مکمل طور پر خالی ہو گئے ہیں۔ انہیں لگا تھا کوئی جیسے ان کی عمر بھر کی کمائی چھین کر لے گیا ہے' وہ چیخ سکے تھے' نہ رو سکے تھے اور تب انہیں لگا کہ ان کے اندر آنسو گلیشئر بن کر جم گئے تھے۔

اور اتنے برسوں بعد زینب کہہ رہی تھیں' وہ بہت مضبوط اعصاب کے مالک ہیں۔

زینب شہباز ابھی تک ان کی طرف متوجہ تھیں اور شہباز صاحب یک دم ان کے سامنے سے اٹھ کر باہر چلے گئے تھے' پھر دو ہفتے بعد کی بات تھی' انہوں نے اپنا سوٹ کیس پیک کرنا شروع کر دیا تھا۔

"کہاں جا رہے ہیں آپ؟"

"پاکستان؟" بہت عجیب دکھ کی طرح لفظ ادا ہوا تھا۔

"کیوں جا رہے ہیں؟" زینب نے حیرت سے انہیں دیکھا اور پھر پوچھا۔ مگر انہوں نے کچھ نہیں کہا' پھر وہ ڈرائیور کے ساتھ ایئرپورٹ پہنچے تھے اور اپنے سامنے مونس کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"تم یہاں کیوں؟"

"پتا نہیں' مگر مجھے لگا تھا آپ کو رخصت کرتے وقت اپنی محبت کا سندیسہ اور سوغات آپ کے ہاتھ ضرور بھیجنا چاہیے تھا۔ ظفر بھائی کو پتا نہیں میں یاد ہوں گا کہ نہیں' لیکن جب آپ ان سے ملیں تو ضرور کہیے گا کہ مونس کو ایک لمحے کے لیے بھی وہ نہیں بھولے ہیں' ہمیشہ میں نے ان کو اتنا یاد کیا ہے جتنا شاید خود کو بھی یاد نہ رکھا ہو۔"

"تمہیں کیسے پتا' میں پاکستان کیوں جا رہا ہوں؟"

"ظفر بھائی کہتے تھے' محبت میں کہے بغیر ایک دل دوسرے دل کی سمجھ لیتے ہیں اور مجھے گمان ہے مجھے آپ سے بہت محبت ہے پاپا۔"

شہباز صاحب کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں اور وہ نم آلود شام تھی' جب وہ کراچی اپنے گھر آئے تھے۔ اماں جان کو ان کی آمد سوکھے دھانوں پر پڑنے والی بارش جیسی محسوس ہوئی تھی۔ وہ بھی اماں کے گلے سے لگ کر ایسے روئے تھے کہ جیسے پہلی بار بچھڑ کر ملے ہوں۔

"اماں! کیا آپ کا دل گزرے سالوں کی بے رخی پر مجھے معاف کر سکے گا؟"

اماں نے ایک لفظ کہے بغیر انہیں اپنے سینے سے لگا لیا تھا اور وہ بھیگی ہوئی شام کی طرح گھر میں سوگوار بیٹھے تھے' اماں نے انہیں کسی کم سن بچے کی طرح سمیٹ رکھا تھا۔ مگر ان کی آنکھوں کی نمی۔

"کیوں واپس آیا ہے شہباز؟ تجھے پتا ہے' پہلے میں تیرے اپنے آپ سے جدا ہونے سے بہت ڈرتی تھی۔ مجھے لگتا تھا تم جو میری پہلی اولاد ہو' اگر تم مجھ سے دور چلے گئے تو میرے سارے بچوں کے درمیان جو ایک کشش کا دائرہ ہے وہ دائرہ ٹوٹ جائے گا اور میں اپنے سارے بچوں کے درمیان یہ مقناطیسی کشش برقرار رکھنا چاہتی تھی' مگر جس دن میں نے ظفر کا تابوتی وجود گھر میں اترتے دیکھا' اس دن مجھے لگا تمہیں اب پاکستان میں نہیں رہنا چاہیے۔ مجھے لگا ظفر کے وجود کی ساری خاموشیاں تمہارے اندر سما کر تمہیں دیمک لگا دیں گی۔ تم دور چلے جاؤ گے' اس غم کے راستے سے' تو خوشیوں کی طرف تمہارے قدم تیز رفتاری سے بڑھتے چلے جائیں گے۔ اس لیے میں نے تمہاری جدائی سہہ لی۔"

"کیا سوچ رہے ہو شہباز؟" کسی نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر متوجہ کیا' یک دم جیسے وہ اماں کی گود سے بیلنخی کی حد تک چلچلاتی ہوئی سچائی میں لا کھڑے کر دیے گئے۔

وہ اماں کے کمرے میں اکیلے بیٹھے ماضی کی کسی شام کے لفظوں سے دل کو ڈھارس دے رہے تھے۔ مگر شازیہ آپا جو ان کی خالہ زاد تھیں اور ان سے آٹھ برس بڑی تھیں' انہوں نے ڈھارس کا یہ کندھا یک دم چھین لیا تھا۔

"اماں نے جاتے وقت کیا کہا تھا؟" کئی برس سے وہ جب بھی فون پر بات کرتے ایک یہ ہی سوال کرتے آ رہے تھے اور آج وہ شازیہ آپا کے بالکل سامنے آ کر کھڑے تھے اور ایک بار پھر یہ ہی سوال کر رہے تھے۔

"وہ تمہیں آخری بار دیکھنا چاہتی تھیں' وہ تم سے بہت محبت کرتی تھیں۔"

"مگر مجھے کیوں لگتا ہے' وہ مجھے آخری بار نہیں

دیکھنا چاہتی ہوں گی‘ آخر انہیں مجھ سے ملا ہی کیا تھا‘ میں کبھی ایک اچھا بیٹا نہیں ثابت ہو سکا۔“

”تم نے اس گھر کے لیے بہت کچھ کیا ہے‘ جو تم اچھا کر سکتے تھے‘ وہ تم نے کیا۔“

شازیہ آپا نے انہیں تسلی دی‘ مگر وہ کیسے مان لیتے کہ جب بھی اماں ان کے خواب میں آئیں‘ ہمیشہ منہ موڑے خفا خفا سی نظر آئیں‘ وہ ہمیشہ ان سے باتیں کرتے‘ مگر وہ چپ چاپ خاموش کھڑی رہتیں اور ظفر چپکے سے آکر ان کے کان میں کہتا۔

”دادو ناراض ہیں‘ پہلے مجھ سے بھی ناراض تھیں‘ مگر میں نے تو منالیا‘ آپ بھی منالیں۔“

”کیا سوچنے لگے پھر۔“ شازیہ آپا نے کندھے پر ہاتھ رکھا اور وہ کراہ گئے۔

”ظفر کہتا ہے میں اماں کو منالوں‘ شازی آپا! کیسے مناؤں‘ کیا مر جاؤں۔ تو اماں مان جائیں گی۔“ شازیہ آپا رونے لگی تھیں۔

”ظفر بہت پیارا بچہ تھا‘ وہ کبھی کسی کو اتنا مایوس نہیں کرتا تھا۔ یہ صرف تمہارا وہم ہے۔ کہ اماں ناراض ہیں‘ اسی لیے تمہیں ایسے خواب نظر آتے ہیں‘ یہ تمہارے اندر کا گلٹ ہے شہباز! ورنہ ایسا کچھ نہیں ہے۔“

”مگر شازی آپا! میں جب آپ کی آنکھوں میں دیکھتا ہوں‘ مجھے آپ کی آنکھوں میں اماں روتے ہوئے کیوں نظر آتی ہیں‘ میں جب ان کے پاس آیا تھا‘ انہوں نے مجھے ایک لفظ بھی نہیں کہا‘ ناراض تھیں تو غصے ہی میں دھتکار دیتیں‘ اجنبی کی طرح جو وہ رخصت ہوئیں یوں بھی کوئی جاتا ہے شازی آپا؟“

وہ پتا نہیں کس دکھ کو چھپانے کے لیے کتنے پرانے دکھوں کو یاد کر رہے تھے‘ شازی آپا ان کے پاس آکر بیٹھ گئی تھیں۔

”وہ خفا نہیں تھیں۔ آخری وقت تک تمہارا انتظار کرتی رہیں‘ ساری اولادیں ان کے پاس تھیں‘ مگر انہیں صرف تمہارا انتظار شہباز! میں نے کئی بار تمہیں فون کیا‘ مگر تمہارا موبائل رومنگ پر تھا اور

زینب نے جتنی بار فون اٹھایا‘ اس نے یہ ہی کہا کہ تم بہت ضروری میٹنگز کی وجہ سے انگلینڈ سے باہر ہو۔ میں مایوس ہو گئی تھی‘ جب اشعر بھائی کا بیٹا اچانک تم سے امریکہ میں ملا۔ اس نے تمہیں خالہ کی اطلاع دی‘ قصور تمہارا نہیں تھا شہباز! بس قسمت میں خالہ اور تمہاری آخری ملاقات نہیں لکھی تھی۔“

”ایسا کیوں ہوتا ہے شازی آپا! کہ ہم جن سے زندگی جینا سیکھتے ہیں‘ جن کے لیے سب سے زیادہ حساس ہوتے ہیں‘ قسمت جانے سے ہمارے اور ان کے بیچ اتنی خاموشیاں بھر دیتی ہے کہ ہم چاہ کر بھی اس خاموشی کے دل میں حرارت بن کر نہیں دوڑ پاتے‘ میں نے کتنا کہا اماں! میں ہوں شہباز! آپ کا شہباز‘ مگر اماں نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ میرا ایک آنسو ان کا دل پگھلا دیا کرتا تھا‘ مگر اس دن میں سمندروں رویا تھا‘ مگر اماں کا دل نہیں پگھلا تھا۔ پتا نہیں کیا خرابی ہے مجھ میں کہ مجھے چھوڑتے ہوئے نہ اماں کا دل پسیجا تھا نہ ظفر کا۔“

وہ اماں کی آرام کرسی کے پاس بیٹھے تھے۔ بے خیال‘ بے حس سے۔ شازیہ آپا کو ان پر بے طرح ترس آیا تھا‘ تب ہی انہوں نے اماں کی طرح انہیں اپنے بیکراں سینے سے لگالیا تھا‘ وہ روئے جا رہے تھے‘ یہاں تک کہ پھر وہ خود ہی چپ ہوئے تھے اور اٹھ کر ظفر کے کمرے میں آگئے تھے۔ ظفر کی کتابیں‘ لکھنے کی میز‘ ہر چیز ویسی تھی۔ شازیہ آپا روزانہ اس کمرے کی ایسے ہی صفائی کرواتی تھیں‘ جیسے وہ ابھی کہیں سے آجائے گا اور نئے سرے سے زندگی جینا شروع کر دے گا۔

انہوں نے ہر چیز کو چھو کر ظفر کے نہ ہونے کو محسوس کیا۔ وہ بہت خاموشی سے اس کی دراز میں رکھی تصویریں لے کر بیٹھ گئے تھے۔ ہر تصویر میں وہ‘ ظفر‘ مونس اور زینب تھے۔

انہوں نے آنکھیں بند کی تھیں۔ ”تمہیں سب سے زیادہ کس سے محبت ہے‘ مجھ سے یا اپنی ماما سے؟“ ظفر کی چمکتی آنکھیں ان پر جم گئی تھیں۔

”مونس سے۔ مجھے سب سے زیادہ مونس سے

محبت ہے پاپا!“ وہ جان کر پہلو بچا گیا تھا۔ دونوں ہی اس کی جان تھے‘ سو کسی ایک کو رد کر کے کسی ایک کو منتخب کرنا مشکل تھا۔ مگر انہیں پتا نہیں کیا سوجھی تھی‘ اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کے کہا تھا۔

”بولو نا میں یا ماما؟“

ظفر کا شوخ چہرہ مرجھا گیا تھا۔ ”میرے لیے ہر رشتہ بہت ضروری ہے پاپا! لیکن اگر دونوں میں سے کسی ایک کو چننا پڑے تو وہ آپ دونوں میں سے کوئی نہیں ہوگا‘ کیونکہ پھر میں جینا ہی نہیں چاہوں گا۔ میری زندگی کی تصویر میں سارے رنگ آپ دونوں سے ہیں پاپا اور اس تصویر کا سب سے شوخ کھلکھلاتا رنگ میرا مونس ہے۔“

شہباز اپنے نویں جماعت کے اسٹوڈنٹ بیٹے کو دیکھتے رہ گئے تھے۔

پھر اس دن ان کا اور زینب کا بہت زبردست جھگڑا ہوا تھا اور اس دن وہ ہر حد پھلانگ گئی تھیں‘ تب ہی درگزر کر جانے کے بجائے وہ زینب سے لڑ پڑے تھے۔ اپنی اماں کی اس درجہ بے عزتی کو وہ سہہ نہیں پائے تھے اور پھر ایک طویل تجربے کے بعد اس دن بنا سوچے سمجھے انہوں نے اپنے ایک دوست وکیل کو فون کیا اور طلاق کے کاغذات بنانے کا کام سونپا تھا۔ وہ یہ بھول گئے تھے کہ ہیڈ کے دوسری طرف ڈرا سہما مونس بھی بیٹھا ہے۔ وہ باہر نکل گئے تھے۔ زینب ناراض ہو کر اپنے گھر چلی گئی تھیں۔ اماں انہیں بہو کو منا کر گھر لانے کا کہہ رہی تھیں۔ مگر وہ غلطی پر نہیں تھے‘ اس لیے تنے کھڑے تھے۔

پھر اچانک یہ دوسرا دن تھا جب ظفر ان کے کمرے میں آیا تھا۔ ”مونس کو دیکھا ہے پاپا!“ وہ آفس کی فائلیں پھیلائے بیٹھے تھے‘ چونک گئے تھے۔ ”کیا مطلب‘ ابھی تو رابعہ کے ساتھ تھا وہ۔“

”مگر رابعہ پھوپھو تو کہہ رہی تھیں وہ آپ کے پاس جانے کا کہہ کر ان کے کمرے سے نکلا تھا۔“

وہ یک دم کھڑے ہو گئے اور تیزی سے سیڑھیاں اترے تھے۔ ”آپ نے مونس کو دیکھا ہے اماں؟“

وہ اماں کے کمرے تک پہنچے تھے اور ظفر اس وقت تک اسے ڈھونڈنے گھر سے باہر نکل گیا تھا۔

وہ گھر کے ارد گرد اسے ڈھونڈ رہے تھے‘ پھر آدھے گھنٹے بعد کی بات تھی‘ انہیں مونس اسپتال کی لابی میں ملا تھا‘ وہ اکیلا ایک انجان شخص کے ساتھ کھڑا تھا۔

”جی میں ہی ہوں شہباز۔“ وہ آگے بڑھے تھے اور ان کا جسم اذیت ناک خبر سن کر سن ہو گیا تھا۔

”ظفر!“ ایک دکھ کی طرح یہ نام ان کی زبان پر آکر ٹھہر گیا تھا۔

”ایک گاڑی نے ہٹ کیا آپ کے بیٹے کو‘ وہ اس وقت اس بچے کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ وہ جتنا تیزی سے اس کی طرف دوڑ رہا تھا‘ اتنی تیزی سے یہ بچہ ان سے دور بھاگ رہا تھا‘ پھر میں نے دیکھا ایک گاڑی اس بچے کو کچلنے والی تھی کہ اس نے اس بچے کو گاڑی کے سامنے سے ہٹالیا‘ مگر وہ خود نہیں بچ سکا۔ بہت زور سے گاڑی نے اچھال کر نیچے پٹخا تھا اس بچے کو‘ میں ہی اسے اسپتال لایا ہوں‘ ورنہ تو لوگ بس تماشا دیکھنے کھڑے ہوئے تھے۔“

شہباز آئی سی یو کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے‘ وہ دماغی چوٹ کی وجہ سے بے ہوش تھا۔ مونس ان کا کوٹ تھام کر کھڑا تھا۔

”میں نے کچھ نہیں کیا پاپا! میں تو ماما کو ڈھونڈنے نکلا تھا۔ ایک بار چاچو مجھے اپنے ساتھ نانی کے گھر لے گئے تھے۔ مجھے لگا تھا میں خود نانی گھر جا سکتا ہوں‘ مگر مجھے راستہ یاد نہیں آرہا تھا‘ پھر جب میں سڑک کراس کرنے والا تھا اچانک مجھے ظفر بھائی کی آواز سنائی دی۔ وہ زور سے چیخے تھے ”مونس یہ غلط کر رہے ہو‘ رکو میں آرہا ہوں۔“

میں نے پلٹ کر دیکھا اور پہلی بار مجھے ظفر بھائی سے ڈر لگا۔ میں نے سب کی ڈانٹ اور مار کھائی ہے‘ مگر ظفر بھائی.....

مجھے ڈر لگا پاپا! میں اور تیزی سے بھاگنے لگا‘ مجھے لگا میں نانی گھر پہنچ گیا تو پھر ظفر بھائی غصہ نہیں کر سکیں گے‘ پھر بس اچانک یہ سب پاپا میں بے قصور ہوں۔

شہباز صاحب نے اس کی کہانی نہیں سنی تھی' وہ خاموشی سے آئی سی یو میں داخل ہوئے تھے اور روم میں داخل ہونے سے پہلے انہوں نے دو فون کیے تھے۔ ایک دوست کو طلاق کے کاغذات نہ بنانے کے لیے اور ایک فون زینب کے لیے۔

"تمہارا بیٹا اسپتال میں ہے' کیا آپ اب بھی ناراض ہیں؟"

"کون؟" زینب کی بے قرار آواز پر ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"ظفر... زینب آؤ نا پلیز' آ کر اپنے بیٹے سے کہو وہ ہمیں چھوڑ کر نہ جائے' ہمارے سارے خواب اس سے وابستہ ہیں' اگر اسے کچھ ہو گیا تو تمہاری اور میری آنکھیں تو بنجر ہو جائیں گی نا۔" زینب جھگڑا بھلا کر فوراً" اسپتال پہنچی تھیں۔ ظفر نے تیسرے دن آنکھیں کھولی تھیں' مگر اس نے صرف مونس کو پکارا تھا۔ ڈاکٹر کی خصوصی اجازت کے بعد مونس آئی سی یو میں داخل ہوا تھا۔

"خدا کا شکر ہے' تم ٹھیک ہو۔" ظفر نے اس کا ہاتھ چوما تھا۔ مونس نے ہمیشہ کی طرح اس کی پیشانی چومی. اور بس جیسے بلیک وارنٹ کے قیدی کی سزا پوری ہو گئی تھی' کمرے میں ساری مشینیں ایک دم سے شور مچانے لگی تھیں' ڈاکٹرز یک دم روم میں داخل ہوئے تھے اور اسے باہر نکال دیا گیا تھا' مگر باہر کی فضا بہت ناسازگار تھی۔

ماما کی سرخ انگارہ آنکھیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ "اگر آج میرے ظفر کو کچھ ہوا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" پاپا انہیں ساری بات بتا چکے تھے' تب ہی وہ یک دم سہم کر اپنے پاپا کے پیچھے چھپنے لگا تھا۔

پھر پندرہ منٹ بعد ڈاکٹر باہر آیا۔ "آئی ایم ساری سر!" شہباز صاحب یک دم زمین پر بیٹھ گئے تھے اور زینب دیوانوں کی طرح چیخنے لگی تھیں۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے' وہ میرا بیٹا ہے' وہ میرا ظفر ہے' میرے بغیر ایک پل نہیں رہ سکتا۔ مجھے کیسے چھوڑ کے جا سکتا ہے' ڈاکٹر آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔"

وہ ڈاکٹر سے لڑ رہی تھیں اور شہباز سے چھوٹے عباس نے گھر فون کر دیا تھا' وہ ڈیڈ باڈی کو لے کر جانے کے انتظامات میں لگے ہوئے تھے۔ مظہر بھائی' شہباز کے بہنوئی شہباز کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر لے گئے تھے۔ عباس' زینب اور مونس کے ساتھ ڈیڈ باڈی گھر لائے تھے۔

"ظفر!" وہ یک دم سسک اٹھے تھے۔

اور ایک نوعمر تلخ آواز گونجی تھی۔ "ظفر مرا نہیں ہے' اسے قتل کیا گیا ہے' آپ دونوں نے مل کر مارا ہے اسے۔ دن رات کے جھگڑے' ہنگاموں سے تنگ آ کر اس نے زندگی اور موت میں سے موت کو قبول کیا' یہ حادثہ نہیں خودکشی ہے ماموں! وہ میرا دوست تھا' ہر روز جب بھی آپ کا مامی سے جھگڑا ہوتا' وہ میرے پاس آ کر یہ ہی کہتا' میں اس زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ میں مر جانا چاہتا ہوں۔ دیکھ لینا کسی دن برداشت اور صبر کا دامن چھوٹ گیا تو میں خودکشی کر لوں گا۔ ٹوٹے ہوئے گھر کی وراثت اسے قبول نہیں تھی اور ماموں آپ نے اسے واقعی ہار دیا۔"

"آفاق! بکواس بند کرو' یہ ساری باتیں پھر بھی ہو سکتی ہیں۔" عالیہ آپا اپنے بیٹے کو چپ کرانے کو چیخی تھیں اور سیکنڈ ایر کے آفاق مصطفیٰ نے چھوٹی میبل کو لات ماری تھی۔

"میرے چپ ہونے سے حقیقت نہیں بدلے گی ماما! میرے دوست کو شہباز ماموں اور مامی نے ہی قتل کیا ہے۔"

وہ لوٹ گیا تھا اور وہ ظفر کے چالیسویں والے دن بہت چپکے سے گھر سے نکلے تھے اور آفاق مصطفیٰ کے کمرے میں داخل ہوئے تھے' وہ انہیں دیکھ کر یک دم تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ظفر کی موت والے دن جو کچھ کہا تھا جو کچھ ہوا تھا' وہ اس کے اندر کا ہیجان جذباتیت تھی۔ اسے خود پتا نہیں تھا وہ کیا کہہ رہا تھا' مگر جب بعد میں اس کی ماما نے اسے بتایا تو وہ چپ رہ گیا تھا' تب سے اب تک ظفر کی موت پر اس نے خاموشی کی ایک چادر تان لی تھی۔

اور آج شہباز ماموں کو دیکھ کر اس کی جان آنکھوں میں کھنچ آئی تھی' وہ اپنے کیے پر نادم اور شرمندہ تھا' زندگی اگر اس کے دوست پر آسان نہیں تھی تو اسے یہ حق کب پہنچتا تھا کہ وہ اس کی موت کو بھی اتنے مشکل زاویہ پر لا کر چھوڑ دیتا۔ وہ جس سوال بھری زندگی سے بھاگتا آیا تھا وہی سوال اس نے اس کی موت کے سرہانے رکھ دیے تھے۔

ظفر کی موت خودکشی تھی کہ حادثہ۔

اور آج وہ ہر روز کے اپنے اندر کے سوال کو لے کر اس کے سامنے بیٹھے تھے۔

"مجھے بتاؤ' وہ ہمارے بارے میں تم سے کس طرح کہتا تھا۔ اس کے سچے میں ۔۔۔ کیا ہوتا تھا' جب وہ میرے حوالے سے بات کرتا تھا۔"

"صرف محبت' وہ آپ سے اور زینب ممانی سے بہت محبت کرتا تھا ماموں۔"

شہباز ساکت اس کیا پاتے سچ اور جھوٹ کے درمیان لٹکتے پردے کو اٹھائے بغیر واپس چلے گئے تھے اور آج اتنے برسوں بعد مونس کی باتیں پھر سے انہیں اس دکھ میں گھسیٹ لائی تھیں کہ وہ اپنے آراستہ پیراستہ گھر سے کسی جوگی کا بہروپ لے کر اس ملک میں واپس لوٹ آئے تھے۔ دوسری صبح رات سے بھی زیادہ اداس تھی' وہ اپنے بھانجے کے گھر بہت خاموشی سے چل پڑے تھے' آفاق اب دو بچوں کا باپ اور ایک کامیاب بزنس مین تھا۔

مگر شہباز ماموں کو دیکھ کر وہ آج بھی کنفیوز ہو کر کھڑا ہو گیا تھا' اس نے سگریٹ بجھا دی تھی اور اپنے اردگرد کے دھوئیں کو ایئر فریشنر سے ختم کرنے کی تگ و دو میں تھا۔

جب انہوں نے اس کا ہاتھ ہولے سے تھاما تھا۔

"تمہیں ظفر کبھی یاد آیا پھر؟" آفاق مصطفیٰ کی آنکھوں میں غم تیرنے لگا تھا۔ "میں اسے کبھی نہیں بھول پایا شہباز ماموں! اس کی ناگہاں موت نے مجھ سے میرا دوست ہی نہیں میرے اندر کا ناپرست مرد بھی مار دیا تھا' میں نے اس کی دکھ بھری موت کی وجہ سے اپنے بچوں کے لیے ہمیشہ ماحول کو سازگار بنائے رکھا' رفیعہ مزاج کی بہت تیز ہے' مگر میں اپنے بچوں کے لیے ہمیشہ اس کی باتوں کو درگزر کر دیتا ہوں' لوگ کہتے ہیں میں بے حس ہوں' مگر زندگی کو آسان بنانے کے لیے کبھی کبھی بے حس ہونا بھی پڑتا ہے' اپنے آپ سے لڑ کر کچھ چہروں کی خوشی کے لیے خود کو فنا کرنا ہی پڑتا ہے' تب ہی محبت کامیاب ہوپاتی ہے۔"

شہباز صاحب کی آنکھوں کا خالی پن یک دم کسی فقیر کی طرح ان کے برابر میں آن بیٹھا تھا۔

"ظفر کو مجھ سے نفرت تھی نا؟"

آفاق مصطفیٰ کی سانس تیز تیز چلنے لگی تھی' پھر اس نے ٹھہر کے کہا تھا۔ "نہیں تو ماموں وہ تو آپ دونوں سے اتنی محبت کرتا تھا کہ اسے لٹریچر میں دلچسپی تھی مگر وہ آپ کی خواہش پر سائنس پڑھ رہا تھا۔"

"ہم نے اس کے خوابوں میں یہاں بھی ڈنڈی مار دی تھی' اس نے کبھی نہیں بتایا تھا کہ اسے لٹریچر پسند ہے وزنہ میں کبھی اسے سائنس میں جانے کی صلاح نہ دیتا۔ میں ان والدین کی طرح نہیں تھا جو اپنے خواب اپنے بچوں کی آنکھوں میں ٹھونستے ہیں بےدردی سے' یہاں تک کے جب تک وہ خواب تعبیر پاتے ہیں' تب تک ان کے بچے جینا بھول کر خود کو ایک مشین سمجھنے لگتے ہیں جس کے پروگرامر ان کے ماں باپ ہوتے ہیں۔"

"وہ یہی کہتا تھا کہ آپ اتنے سویٹ ہیں کہ کبھی اس پر اپنی سوچ کا وزن نہیں ڈالیں گے لیکن اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ ویسا ہی بنے اسی راستے پر چلے جس راستے پر آپ نے اپنے خواب بوئے تھے۔"

شہباز صاحب کی آنکھوں میں برسوں پرانے ساون نے دستک دی تھی اور دکھ کی دھوپ سے ان کی روح جل رہی تھی۔ دھوپ میں بارش کی بوندوں کی حدت سے ان سے سانس لینا دشوار لگ رہا تھا تب ہی انہوں نے پوچھا تھا۔

"تم نے کہا تھا یہ حادثہ نہیں خودکشی ہے ایسا کیوں

کہا تھا؟"

"وہ میری بے وقوفی تھی ماموں! ورنہ یہ صرف حادثہ تھا ظفر جیسا انسان خودکشی نہیں کرتا۔" آفاق علی نے نم آلود لہجے میں کہا تھا شہباز صاحب نے اس کی بات پر اس بار یقین نہیں کیا تھا۔

"مجھے بتاؤ۔ میں جاننا چاہتا ہوں۔ آفاق! کیا ہوا تھا۔ اس دن۔ اس دن سے پہلے جو تم یہ کہنے پر مجبور ہوئے۔"

"وہ بہت دل گرفتہ تھا اس نے مجھے فون کیا تھا اس نے بتایا تھا کہ آپ اس کی ماما کو طلاق دے رہے ہیں اور وہ یہ نہیں برداشت کر سکتا۔ وہ کہہ رہا تھا' وہ مر کر آپ کو ایک ساتھ جڑے رہنے کا موقع دینا چاہتا ہے۔ انہیں فون پر چیخ کر اس کے پیچھے آیا تھا اور اس وقت آیا تھا جب وہ سلیپنگ پلز نگل رہا تھا میں نے اس کے ہاتھ کو جھٹکا دیا تھا۔ وہ چیخ رہا تھا۔ "مجھے مر جانے دیں۔ آفاق بھائی" اور میں اسے گلے سے لگائے روئے جا رہا تھا۔ وہ رات میں نے نانی کے گھر میں گزاری تھی۔ اس دن بھی مامی آپ سے لڑ کر گھر گئی ہوئی تھیں۔ مونس سو رہا تھا۔ آپ گھر نہیں لوٹے تھے اور وہ تنہا تھا۔ میں نے اس کی تنہائی کو اپنی باتوں سے دور کر دیا تھا۔ بہت سے واقعات سے قرآن و حدیث سے اسے اس عمل سے باز رہنے کی تلقین کی تھی پھر وہ وعدہ کر کے سو گیا تھا۔ دو دن بعد یہ حادثہ ہوا تو مجھے لگا وہ اپنا وعدہ نباہ نہیں سکا اس لیے اس کی میت پر وہ سب کچھ کہہ گیا لیکن ماموں جان آج سوچتا ہوں تو مجھے اس کی ایک عادت بہت یاد آتی ہے کہ وہ وعدے بہت کم کرتا تھا کیونکہ وہ وعدے نبھاتا تھا۔"

شہباز صاحب سر ہلا کر چپ ہو گئے تھے پھر خاموشی سے اٹھے تھے۔ ظفر اور اماں ابا کی قبروں پر فاتحہ پڑھ کر اپنا سامان باندھنے لگے تھے۔

"بس جا رہے ہو شہباز؟" شازیہ آپا نے حسرت سے پوچھا تھا۔

اور چیزیں رکھتے رکھتے یکدم مڑے تھے۔

"ہم سمجھتے ہیں گھر کو بہترین اعلا چیزوں سے بھر دیں' آراستہ پیراستہ گھر میں رہیں آسائشات کو ضرورت کا نام دے کر زندگی سے بھاگ کر پیسے کی دوڑ میں شامل ہو جائیں تو بہت سالوں بعد کھلتا ہے۔ بہت عالی شان گھر خالی رہ گئے ہیں اور وہاں صرف اپنی مادیت کے ساتھ تنہا کھڑے ہیں۔ اس گھر میں دنیا کی ہر چیز موجود ہے' مگر اس گھر میں تنہائی زندگی سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اماں' ابا' صفیہ' ظفر' عمارہ کوئی بھی نہیں ہے جنہیں میں چھو سکوں' پا سکوں میں اماں اور زینب میں توازن نہیں رکھ پایا شازی آپا! مجھے پتا ہے اماں کو مجھ سے بہت سے گلے تھے' انہیں لگتا تھا میں ان کی نہیں سنتا زینب کی زیادہ سنتا ہوں اور وہ ٹھیک سمجھتی تھیں۔ میں صرف اچھا شوہر بننا چاہتا تھا اور اچھا بیٹا بنتا؟ مجھے لگتا تھا۔ میں اگر برا بیٹا ہوں۔ تب بھی اماں کے لیے وہی شہباز رہوں گا۔ لیکن اگر میں برا شوہر ثابت ہوا تو میرا گھر اور بچے سب رل جائیں گے۔ اس لیے میں کمپرومائز کرتا رہ گیا۔ یہاں تک کہ ظفر کی موت کے بعد وہ جو ایک ہلکا سا احتجاج کا عنصر بچا تھا مجھ میں وہ بھی ختم ہو گیا اور پھر سب ہی کچھ ختم ہو گیا شازی آپا میں تو کہیں کا نہیں رہا۔"

"نہیں شہباز! تم نے اپنے گھر کو بچانے کے لیے جو کیا۔ اماں بھی جانتی تھیں۔ صفیہ بھی تم سے ہمدردی رکھتی تھی میں نے ان کے آخری وقت میں تمہارا نام لے کر کہا تھا انہوں نے' آپ کی کوتاہی معاف کی تھی وہ جو دنیا میں کانٹا چبھنے پر آپ کے لیے تڑپ اٹھتی تھیں کیسے ممکن تھا کہ آخرت کے لیے آپ کو مورد الزام لوگوں میں کھڑا ہوتے دیکھ سکیں۔"

شہباز پھر بستہ ہم لہجے میں بولے تھے۔

"لوگ کہتے ہیں اہرام مصر انہیں متوجہ کرتا ہے کچھ لوگوں کے لیے وہ عبرت' کچھ کے لیے فینٹسی اور کچھ کے لیے جستجو' سب اس کی مسٹری کی طرف دوڑتے ہیں کہ وہاں کیسے لوگ رہتے تھے مگر ہم جن کے ساتھ رہتے ہیں۔ انہیں پتا نہیں کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ انہیں توجہ نہیں دیتے اور خاک اڑاتے ویرانوں میں دوڑ جاتے ہیں شازی آپا! پتا نہیں ہم سب کے بعد

اس گھر میں کوئی دیا جلانے والا ہو گا بھی یا یہ عالی شان گھر کسی اہرام مصر کی خاموشی جیسا اجاڑپن اور حسرت لے کر تنہا گزارے گا۔"

"ایسا نہیں ہو گا شہباز! یہاں خالہ نے محبت بانٹی' محبت ہی تھی اور محبت تقسیم کرنے والے لوگ بھی ویران ہوتے ہیں نہ ان کے گھر اجاڑ ہوتے ہیں۔"

شہباز ایک خوش گمانی کا شگن لے کر واپس لوٹ گئے تھے اور اپنی ایک ایک روداد ڈائری میں لکھی تھی یہی ڈائری موٹس کی ٹیبل پر پڑی تھی جسے پچھلے ہفتے ہی اس نے پاپا کے اسٹڈی روم سے چرا کر پڑھی تھی۔

وہ پندرہ بیس دن اس کے لیے اذیت بھرے تھے۔ ماما اپنی ہر پرابلم کی وجہ اسے ہی سمجھتی تھیں اور وہ جو سایہ کے لیے کچھ اچھا کرنا چاہتا تھا' ماما اس کے خلاف اتنا سخت ایکشن لیتی تھیں کہ اس کے لیے زندگی گھر کے بجائے گھر سے باہر رہ گئی تھی عمر اور ارم' ماما کے رویے کی وجہ سے اس سے دور رہتے تھے وہ اگر ان کے لیے ظفر جیسا بھائی بننا بھی چاہتا تو وہ ان کے رویے ناکام کر دیتے یہی وجہ تھی اس نے اردگرد تنہائی کا ایک طویل صحرا تھا اور اس لمحے اس صحرا میں وہ تنہا بیٹھا تھا ظفر بھائی کی تصویر اس کے سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی تھی جس طرح ایک بچے کو ماں کی گود یاد آتی ہے' اسے ظفر بھائی یاد آ رہے تھے۔

"کاش! اس دن آپ نہیں میں زندگی ہار جاتا' کم از کم ماما مجھے دل سے روتیں۔ اب میں زندگی کے اس کنارے پر کھڑا ہوں' کوئی بھی لمحہ مجھے زندگی کے اس پار لے جا سکتا ہے مگر ظفر بھائی کی موت سے زیادہ تلخی ہے میرے لیے' کہ مجھے یہاں کوئی ایک لمحے کے لیے نہ روئے گا' اور بھول جائے گا' بس میرا کمرہ کبھی کبھی مجھے اپنے اکیلے پن سے گھبرا کر یاد کیا کرے گا۔"

اس کی آنکھ کا نم چہرے پر پھیل گیا تھا۔ پھر وہ کچھ اور سوچنا چاہتا تھا کہ اچانک اس کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔

"ماما! کیا آپ کے دل میں' میری ذرا سی گنجائش ہے۔" اس کا دل زور زور سے دھڑکا تھا جب اچانک زینب شہباز نے ڈائری پر جھپٹا مارا تھا۔

"تمہاری یہ جرأت کہ تم چیزیں بغیر پوچھے اٹھا لیتے ہو۔"

"اخلاق سے تمہارا تو دور کا بھی تعلق نہیں' تمہیں پتا ہے پچھلے ایک ہفتے سے تمہارے پاپا اپنی یہ ڈائری ڈھونڈ رہے ہیں۔ ہر روز مجھ سے پوچھتے ہیں' ملی اس کی گمشدگی سے اتنا اداس اور پریشان میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا' تمہیں کسی کی تکلیف کا بھی احساس نہیں ہوتا ہے۔"

"آپ کا صرف ایک پرابلم ہے ماما! آپ کو پرانی چیزوں کو اینٹک کر کے سنبھال کر رکھنے کی عادت ہے' اس ڈائری کے لیے آپ جتنا مجھ سے لڑ رہی ہیں کبھی اپنی ضد اپنی انا اپنی خود پسندی سے لڑتیں تو شاید ہمارے گھر کا دن ایک طلوع ہوتے سورج کی کرن جیسا ہوتا' ہم الگ الگ زندگی سے ہارے ہوئے لوگوں کی طرح نہیں جیتے بلکہ واقعی زندگی جیتے۔"

اس نے تھوڑا سا توقف کیا پھر اسی ٹون میں بولا۔ "مگر آپ کو قبروں پر دیے جلانے کی ایسی عادت ہے کہ زندگی کبھی آپ سے چاہے بھی تو دوستی نہ کر پائے۔ مجھے پتا ہے میں ابھی آپ کو یاد نہیں آؤں گا مگر جب مٹی میں مٹی ہو کر مل جاؤں گا تو آپ مجھے بھی ظفر بھائی کی طرح یاد کیا کریں گی' رویا کریں گی آپ کو اداسی اور دکھ سے لگاؤ ہے ورنہ زندگی اتنی بے رنگ نہ ہوتی۔"

زینب شہباز نے غصے سے اسے دیکھا تھا۔ "مجھے نہیں پتا تھا کہ تم اتنے بدتمیز ہو گئے ہو تمہارے پاپا کو تمہارے بارے میں نئے سرے سے بریف کرنا پڑے گا مجھے۔" اس نے کچھ نہیں کہا تھا اور لائٹ آف کر کے لیٹ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

زینب شہباز ڈائری کمرے میں اٹھا لائی تھیں پھر جیسے جیسے وہ صفحے الٹتی گئیں' ان کی ذات کے سارے پتھر ایک ایک کر کے اپنی جگہ چھوڑنے لگے تھے' وہ تو بہت مضبوط تعمیر تھیں' زندگی میں کہیں بھی کسی مقام پر

انہوں نے ہار نہیں مانی تھی۔ ہر جگہ شہباز صاحب جھکے تھے اور وہ ہر بار اپنی جیت کو پہلے سے زیادہ مستحکم کر کے لوٹی تھیں' زندگی میں اگر واقعی کسی دکھ کو دل میں جگہ دی تو وہ ان کا لاڈلا بیٹا تھا مگر آج کھلا تھا۔ وہ اس بیٹے کے سامنے کتنی بڑی لوزر تھیں۔ انہیں آج اپنی ماں بہت یاد آئی تھیں۔ جنہوں نے انہیں جب بھی کوئی سبق دینے کی کوشش کی تب انہوں نے اپنے لفظوں سے ان کو رد کر دیا تھا' اپنی بے بسی کے ایسے نقشے کھینچے تھے کہ وہ نہ چاہتے ہوئے انہیں سپورٹ کرنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔ "لڑکی کو گھر سے سپورٹ ملے تو وہ اپنا گھر کبھی نہیں بناتی' شہباز بہت سنجیدہ اور نفیس انسان ہے اپنی زینب میں صبر حوصلہ اور برداشت نہیں ہے راحت صاحبہ۔"

اماں کے یہ الفاظ وہ ایک نہیں کئی بار کسی قسم کے دوروں میں دہرا چکی تھیں اس سے قبل انہیں اپنی غلطی کا احساس نہ ہوا تھا۔ اتنی سچی اور خالص نفرت' کا پڑھ کر ان کی چیخیں نکل گئی تھیں۔

"ظفر۔" وہ زمین پر بیٹھی آج سر پر ہاتھ رکھ کر رو رہی تھیں۔

عمر اور ارم کہیں گئے ہوئے تھے۔ شہباز صاحب آفس میں تھے صرف مونس ہی تھا جو اٹھ کر ان تک آیا تھا۔

"آپ نے کیوں پڑھی یہ ڈائری' آپ کو نہیں پڑھنا چاہیے تھی ماما۔" اس نے انہیں بازوؤں میں بھرا تھا اور وہ ذہنی طور پر ذاتی ابتری کا شکار تھیں کہ انہوں نے اس کے ہاتھ نہیں جھٹکے تھے۔

"ماما آپ بیڈ پر بیٹھیں میں آپ کے لیے پانی لاتا ہوں۔" انہوں نے اسے جانے نہیں دیا تھا ہاتھ تھام لیا تھا پھر ٹوٹے لہجے میں بولی تھیں۔

"کیا واقعی ظفر مجھ سے نفرت کرتا تھا اتنی نفرت کے زندگی کو گنوا دینا چاہتا تھا۔؟"

خالی آنکھیں اس پر جمی تھیں تب ہی اس نے ان کا سر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔ "نہیں ماما! ظفر بھائی کو کسی سے بھی نفرت نہیں تھی ان کے دوست اور سارے کزنز سے پوچھ لیں انہوں نے کسی ایک سے بھی کبھی نفرت نہیں کی۔ وہ صرف محبت کی مٹی سے گوندھ کر بنائے گئے تھے انہیں صرف محبت کرنا آتی تھی۔ وہ سب کے ساتھ یکساں دل سے ملتے تھے ماما! وہ سب جذباتی باتیں تھیں ایسی باتیں تو میں بھی اکثر کر جاتا ہوں مگر تمام تر نفرت کے باوجود آپ کا دل جانتا ہے میں آپ سے کتنی محبت کرتا ہوں' میری زندگی میں آپ اور پاپا کے سوا ہے ہی کیا جیسے ظفر بھائی کے لیے آپ پاپا اور میرے سوا کچھ نہیں تھا۔"

وہ کچھ نہیں بولی تھیں سر تکیے پر رکھ کر لیٹ گئی تھیں۔ وہ انہیں تنہا رہنے کا موقع دینا چاہتا تھا سو آہستگی سے ان کے کمرے سے باہر آ گیا تھا اور زینب شہباز کے سرہانے جیسے اماں آ کر بیٹھ گئی تھیں۔

"مت لڑا کر اپنے شوہر سے کتنا تو خیال رکھتا ہے تیرا۔"

اور ان کی جوانی ان کے بڑھاپے سے لڑ پڑی تھی۔ "کب رکھتے ہیں وہ میرا خیال آج تک ایک بھی سکھ نہیں ملا مجھے ان سے۔" اماں نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

"توبہ کر زینب! ناشکری نہ کیا کر اللہ کو یہ سب پسند نہیں' میرے آقا کا فرمان ہے عورتیں اسی لیے جہنم میں جائیں گی کہ جب تک سکھ ملتے ہیں تو خوش رہتی ہیں ایک بھی تکلیف شوہر سے ملتی ہے تو کہتی ہیں ہمیں آج تک کوئی سکھ نہیں ملا تم سے۔ تو تو قرآن پڑھی ہوئی ہے۔ پھر جہالت کی باتیں کیوں کرتی ہے شہباز بہت پیارا انسان ہے گھر میں ترتیب و توازن چاہتا ہے اس پر گھر میں بڑا ہونے کی وجہ سے بڑی ذمہ داریاں ہیں اس لیے تجھے وقت نہیں دے پاتا مگر جب فارغ ہوتا ہے تو اٹھ کر تیرے اور بچوں کے پاس ہی آتا ہے۔ پھر تو کیوں شکوے لے کر بیٹھ جاتی ہے' جو مرد دھوکے باز ہوتا ہے نا وہ آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات نہیں کرتا کیا کبھی شہباز نے تجھ سے منہ موڑ کر اپنی مصروفیات گنوائی ہیں نا؟"

زینب شہباز نے سر جھکا لیا پھر سر اٹھایا تو وہ ہی یقین

تھا۔

"نہیں پتا ہے میں غصے کی تیز ہوں تو وہ اپنا غصہ ختم نہیں کر سکتے۔"

"مرد غصہ کبھی ختم نہیں کرتا۔ عورت کو ہی دھیما ہونا ہے۔ وہ تیرے گھر نہیں آیا تو اس کے گھر گئی ہے پھر بھی ظفر اور مونس کو دیکھا ہے ہر وقت کتنے سہمے ہوئے ڈرے ہوئے رہتے ہیں۔" اماں نے نئے سرے سے سمجھایا مگر وہ۔

"ظفر سمجھ دار بچہ ہے دیکھیے گا وہ چند سال بعد اتنا مضبوط سہارا ہو گا میرا کہ پھر شہباز چاہیں بھی تو مجھ سے تیز آواز میں بات نہیں کر سکیں گے۔"

"تنہا باپ اور بیٹے کو ایک دوسرے کے مخالف کھڑا کرے گی تو بھی تیرا ہی گھر برباد ہو گا' دونوں میں سے کسی ایک کو چننا آسان نہیں ہے' جب محبت رشتوں کے بیچ رہ جائے تو ہی گھر بنتا ہے زینب۔" اماں کہہ کر چلی گئیں اور شام کو زینب کی بھابھی سمجھانے آ گئی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے ماں باپ کی لڑائی سے بچوں پر کتنا برا اثر پڑتا ہے ان کی شخصیت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے ایسے بچے جن کو والدین کی طرف سے مضبوط سپورٹ نہیں حاصل ہوتی وہ اپنی بقا کی جنگ کے لیے پھر ہر غلط اور صحیح کو اپنی زندگی میں اپلائی کرتے ہیں وہ ولی بھی ہو سکتے ہیں اور معاشرے کے سب سے کرپٹ انسان بھی۔"

"بھابھی پلیز فضول باتیں مت کریں مجھ سے کیا میں نہیں جانتی کہ آپ اور بھائی کتنا لڑتے ہیں۔" وہ غصے میں ہر حد پھلانگ جاتی تھیں انہوں نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہم لڑتے ہیں مگر بچوں کے سامنے کبھی نہیں لڑتے ہماری لڑائی بیڈ روم کے اندر ہوتی ہے۔ باہر ہم ایک دوسرے کو عزت دیتے ہیں اور بچے ہم سے ہی سیکھتے ہیں۔"

وہ منہ پھیر کر ٹی وی آن کر کے بیٹھ گئی تھیں تب بھابھی نے اپنی زندگی کا کٹھن کام کیا تھا ان کا ہاتھ تھام کر ان کی ساری بدتمیزی پر اسی نرمی سے کہا تھا۔

"مونس کتنا چھوٹا ہے مگر تم نے دیکھا ہے وہ رویوں میں سے پیار' نفرت اور بے توجہی کو کتنی جلدی مارک کرنے لگا ہے اگر ایسا ہی رہا تو زینب یہ بچے اپنی عمر سے بہت پہلے کم سنی کی عمر پھلانگ جائیں گے اور ایسے بچے جو کم سنی سے یکدم عمر رسیدگی میں چلے جاتے ہیں' ان کی زندگی میں سب کچھ ہو' تب بھی زندگی کی بے رنگی' تلخی ختم نہیں ہوتی۔ اکیلا پن' غیر محفوظ ہونے کا احساس انہیں دل سے ہنسنے نہیں دیتا' کیا تم چاہتی ہو تم ایسے بچوں کی ماں کہلاؤ؟"

انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا' ان کے اور بھابھی کے درمیان خاموشی چپ آ کر بیٹھ گئی تھی اور اتنے سالوں بعد یہ خاموشی لفظ بنی تھی تو کتنا زہر تھا اس کے لہجے میں انہوں نے ڈائری شہباز صاحب کے اسٹڈی روم میں رکھ دی تھی اور خاموشی سے بستر پر آ کر لیٹ گئی تھیں' آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

"تمہیں وقت گزرنے کے بعد ہی کیوں عقل آتی ہے زینب۔" بڑے بھیا کا افسوس ان کے ارد گرد بکھرنے لگا۔ انہوں نے کتنی محنت اور کتنی جدوجہد کے بعد شہباز کی زندگی پر تصرف حاصل کیا تھا۔ ایسا تصرف کہ وہ ان کی آنکھوں سے دیکھتے تھے ان کی کہی سنتے تھے مگر اس ڈائری کے ہر لفظ میں موجود تاسف نے انہیں آسمان سے زمین پر پٹخ دیا تھا' صرف اپنا گھر بچانے کے لیے وہ زینب شہباز کو برداشت کرتے آئے تھے۔

اور وہ ظفر اس میں تو ان کی جان بند تھی مگر وہ بھی اپنی بی کو ناکام لوگوں کی صف میں لے جا کر کھڑا کر چکا تھا اور ایک یہ مونس ہے یہ بھی پتا نہیں کیا سوچتا ہے میرے بارے میں۔

آج پہلی بار ان کے دل میں یہ بات آئی تھی کہ وہ جانیں کہ مونس ان کے بارے میں کیا سوچتا ہے۔

وہ لیٹے سے اٹھ کر یکدم بیٹھ گئی تھیں اور انہیں لگا تھا ان کی ساس ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی ہیں۔

"کیا ملا زینب تمہیں ایسا کر کے؟ بیٹا چھین لیا تھا تو بھی دل نے کوئی دہائی نہیں دی کیا ہوتا اگر جاتے سمے میں اپنے بیٹے سے دو گھڑی بات کر لیتیں؟" وہ ایک خاموش بے ضرر عورت تھیں' وہ خود سے مکالمہ کر رہی تھیں۔ اب وہ اپنی تینوں جوان اولادوں کا دکھ دل میں محسوس کر رہی تھیں۔ "تم نے اپنے جوان بیٹے کی موت کا دکھ سہا مگر پھر بھی تمہارا دل نرم نہ ہوا سخت ہو کر پتھر ہو گیا۔ ایک عورت پتھر کیسے ہو سکتی ہے؟ زینب عورت کے دل کو تو خدا نے محبت گداز اور نرم بنایا مگر تم نے اچھا نہیں کیا۔" انہوں نے کمرے کی لائٹ آن کر دی تھی۔

اندر کا ڈر پتا نہیں باہر آ کر کیوں بیٹھ گیا تھا شاید جذباتی طور پر آج سے پہلے وہ اتنی کمزور نہیں پڑی تھیں کیونکہ وہ بزعم خود اپنے شوہر کی محبوب بیوی اور ظفر کی محبت کرنے والی ماں تھیں مگر آج یکدم کسی نے ان کے ہاتھ سے سب کچھ چھین لیا تھا وہ کمزور اور کرچیوں کرچیوں بکھری تھیں۔

بیڈ پر تکیہ کمر کے نیچے رکھے وہ بالکل بے جان بیٹھی تھیں۔

"ماما! اب کیسا فیل کر رہی ہیں میں نے پاپا کو فون کیا تھا مگر ان کا نمبر بزی جا رہا ہے وہ آفس میں ہیں ابھی تک۔"

"مونس دوبارہ کیوں آیا تھا' کیا وہ ان کی کم مائیگی ان کے دکھ کا تماشا دیکھنے آیا تھا کہ ایک دم سے آسمان سے زمین پر گرنے سے کیسی تکلیف ہوتی ہے۔"

پتا نہیں مونس سے وہ کوئی اچھی سوچ کیوں وابستہ نہیں کر پاتی تھیں' حالانکہ ان کی باقی اولادوں میں وہ ان کا سب سے فرماں بردار بیٹا تھا۔

آج پہلی بار انہوں نے اس کا چہرہ بغور دیکھا تھا۔

"ماما! میں فضہ آنٹی کو بلاؤں وہ آپ کو بہت اچھے سے سمجھتی ہیں۔"

اس نے زینب شہباز کا سیل فون اٹھایا تھا اور وہ اس کی بے قراری دیکھ رہی تھیں' رات کے بارہ بجے ان کا شوہر آفس میں اپنی فائلوں کے ساتھ گم تھا۔ ان کا عزیز بیٹا دوستوں میں موج مستی کے لیے نکلا ہوا تھا' ارم کے دوست کی دو دن بعد شادی تھی اور وہ اس کے گھر ٹھہرنے گئی تھی اور ان کے لیے وہی تھا جو پریشان کھڑا تھا۔

وہ ایک ایسا بچہ تھا جس کو انہیں یاد نہیں پڑتا کبھی نرمی سے دیکھا ہو یا ممتا سے چھوا ہو۔

"مونس آپ کو مجھ سے بھی زیادہ چاہتا ہے ماما۔" ایک بار ظفر نے اپنے ناز اٹھاتی ہوئی ماں کو جتاتے ہوئے عجیب سے لہجے میں کہا تھا تب انہوں نے اتنے غور سے پرے کو تھامے کھڑے مونس کو نہیں دیکھا تھا' مگر کیا واقعی وہ ہمیشہ سے ظفر کے ہوتے ہوئے مونس کو اہمیت نہیں دیتی تھیں' کئی واقعات ایک ساتھ یاد آ گئے تھے ہر واقعہ میں مونس شہباز اکیلا کھڑا تھا' اور اس کی زبان پر حرف احتجاج تک نہ ہوتا تھا پہلے ظفر کی وجہ سے وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہو سکیں اور ظفر کی موت کے بعد وہ خود بخود ان کی زندگی کے کینوس سے صاف ہو گیا تھا۔

"ماما مجھے ٹیومر ہے تین دن بعد میرا آپریشن ہے۔" کئی مجنوں پہلے کی بات یکدم انہیں پھر سے یاد آ گئی تھی۔ "یہ شخص ایک وہم ایک خوش گمان خیال کا دامن تھامے کھڑا تھا۔ اگر کوئی اجنبی ہوتا تو کیا ان کا دل نہ پسیجتا پھر یہ تو ان کے اپنے وجود کا حصہ تھا مگر اتنے سالوں کی جو خاموشی اور لفظوں کی تلخی ان کی طرف سے اس رشتے میں گھل چکی تھی وہ کیسے اسے مٹھاس میں بدلتیں۔

"فضہ آنٹی کا نمبر بند ہے ماما۔" وہ ان کی سوچوں سے دور اب بھی صرف ان کے لیے ہراساں تھا۔

"مونس!" بمشکل وقت سے انہوں نے کہا۔

اس نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔ اتنی محبت سے کب ان لبوں نے اسے پکارا تھا۔

"خیریت ہے ماما۔"

"تم جا کر سو جاؤ۔ میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ یکدم ٹھہر گئی تھیں۔

اس کے لہجے نے انہیں سہارا دیا تھا اگر وہ کمزور بن کر اس کے سامنے آ گئیں تو وہ کہیں اتنے برسوں کی تلخی کا بدلہ ان کی انسلٹ کر کے نہ لے اور آج رات وہ دو اتنے قریب ترین رشتوں کے ان پر کیے گئے کمنٹ کو سہہ نہیں پا رہی تھیں۔

"تمہارے سر میں بہت درد ہے؟" انہوں نے نرمی سے کہا وہ ابھی تک خاموش کھڑا تھا ان کے کہنے کے باوجود اپنی جگہ سے ہلا نہیں تھا اور ان کا دل اس درجہ تو جیہ پر پھر سے ممتا سے بھر آیا تھا۔

ممتا کا گوشہ تو شاید شروع سے تھا' ظفر کی موت سے پہلے بھی ظفر کی موت کے بعد بھی مگر لفظوں میں بس سنگ دلی در آئی تھی پتا نہیں کیوں شاید وہ اس طرح احتجاج نہیں کرتا تھا جس طرح کے احتجاج سے کوئی وجود اپنے ہونے کا یقین دلا سکتا تھا۔

"پہلے بہت تھا ماما! مگر ابھی میڈیسن لی ہے تب کہیں تھوڑا درد کم ہے۔"

"ڈونٹ وری بیٹو۔" انہوں نے دل میں کہا زبان سے نہیں اور وہ مایوس سا ہو گیا' اسے لگا تھا کوئی ذرا سا دریچہ محبت کا اس کے لیے کھلا تھا مگر ماما کا رویہ ابہام پیدا کر رہا تھا۔

اس نے زینب شہباز کو سلیپنگ پلز دی تھی پھر ہولے سے ان کے رویے سے بے نیاز ہو کر ان کی پیشانی چوم کر بولا تھا۔

"سب بھول جائیں ماما! آپ پاپا کے لیے اچھی وائف اور ظفر بھائی کے لیے بہت محبت کرنے والی ماں ہیں۔"

"اور تمہاری۔ تمہاری کیسی ماں ہوں میں۔۔؟" ان کا دل چاہا۔ وہ یکدم اس کا ہاتھ تھام کے پوچھیں مگر تھکا ہوا دماغ جانے کب نیند کی وادی میں اتر گیا تھا' پھر صبح جب ان کی آنکھ کھلی تو شہباز پہلے سے جاگے ہوئے تھے ٹی وی دیکھنے کے ساتھ ساتھ چائے پی رہے تھے۔

"آ جاؤ۔ بہت مزے کا پروگرام چل رہا ہے' پاکستانی رسم و رواج شادی بیاہ کے گیت کی تھیم کے ساتھ دکھا رہے ہیں۔ ایک ہفتے پہلے ہی تم مونس کی شادی کی بات کر رہی تھیں ناں۔"

وہ سست قدموں سے چلتے ہوئے ان کے برابر صوفے پر آ کر بیٹھ گئی تھیں اور ان کا سویا جاگا دماغ حیران تھا انہوں نے اتنی کدورت کے باوجود مونس کی زندگی کے بارے میں کب اور کیسے سوچ لیا تھا۔

"تمہاری آنکھیں اتنی سرخ کیوں ہو رہی ہیں زینب؟" اور زینب شہباز پھر سے آنسوؤں میں بھیگ بھیگ گئی تھیں۔

"ظفر یاد آ رہا تھا پھر؟" شہباز صاحب نے اندازہ لگایا اور وہ خاموشی سے ان کے کندھے سے ٹک کر ہولے سے سر ہلا کر رہ گئیں؟

اور شہباز صاحب نے انہیں دیکھ کر نرمی سے کہا۔

"اسے تم بھلا ہی کب پائے ہیں کہ وہ ہمیں یاد آئے وہ تو ہر لمحہ ہمارے اندر ہمارے ساتھ جیتا ہے زینب۔"

اور جب وہ یہ سب کہہ رہے تب مونس یکدم ایک بیگ کاندھے پر ڈال کر ان کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"کیا آپ میرے ساتھ چلیں گے بابا۔؟"

"کہاں جانا ہے وہ بھی اتنی صبح صبح؟" وہ حیران ہو گئے۔

اور مونس بہت مدھم ہو کر بولا۔

"تین دن بعد میری سرجری ہے برین ٹیومر کی وجہ سے۔"

شہباز صاحب کے ہاتھ سے کپ چھوٹ گیا تھا اور زینب شہباز نے اس خبر کو ایسے سنا جیسے پہلی بار سن رہی ہوں۔

"تم نے ایک مرتی ہوئی ماں سے اس کے بیٹے کو ملنے نہیں دیا' دیکھ لینا وقت تمہیں اس عمل کی کتنی سخت سزا دے گا۔ اتنا کٹھور تو کوئی سفاک قاتل بھی نہیں ہوتا جتنی تم ہو زینب!"

کبھی شازیہ آپا کے کہے لفظوں نے ان کے اندر بھنور ڈال دیے۔

"یہ سزا ہے کہ ایک بیٹا چاہتے ہوئے اپنی مرتی ہوئی ماں سے نہیں مل سکا اور میں اس شخص کے سامنے ہوں یہ جو میرا بیٹا ہے میرے وجود کا حصہ ہے میں چاہ کر بھی اس کا ہاتھ تھام کر یہ نہیں کہہ سکتی مت جاؤ۔ میں

تم سے ایک ماں کی طرح ہی شدت سے محبت کرتی ہوں۔"

"ایک ماں دوسری ماں کو بددعا نہیں دے سکتی ہے۔" ان کا دل کرلایا تھا اور شہباز صاحب نے ان کا بازو بھینچ کر پھر سے کہا تھا۔

"زینب! تم نے سنا مونس کیا کہہ رہا ہے؟"

اور مونس شہباز نے دکھ سے کہا تھا "وہ جانتی ہیں بابا! مگر انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ آپ کو بھی کوئی فرق پڑتا ہے کہ نہیں اس لیے ایک دوست کو بھی اسٹینڈ بائی پر رکھا ہے 'پہلے میرا ارادہ تھا وہ ہی مجھے ہسپتال لے جائے مگر پھر میں نے سوچا میں آپ کو بھی اطلاع کر دوں کیونکہ آپ کو مجھ سے ویسے ہی شکایتیں ہیں کہ میں اپنی مرضی بہت کرتا ہوں۔"

لمحہ بھر کو رکا پھر بولا۔ "سامیہ میرے ساتھ ہے اگر میں آپریشن ٹیبل سے واپس زندہ نہ آسکا تو اس کو میں نے اپنی تدفین کا اختیار بھی دے رکھا ہے آپ چاہیں تو شریک ہو جایئے گا' ورنہ کوئی مسئلہ نہیں۔ اکیلا جینے والا انسان اکیلا مر بھی سکتا ہے کیونکہ اکیلے پن کا دکھ تو صرف زندگی تک کا ہوتا ہے نا بابا۔"

شہباز صاحب یکدم اٹھ کر اس کے قریب آگئے تھے پھر بہت خفگی سے بولے۔

"مونس! تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے تمہیں کس نے کہا۔ مجھے تم سے محبت نہیں۔"

"مجھے آپ نے یہ احساس کب دلایا تھا بابا کہ آپ میرے بھی ہیں مجھے تو لگتا تھا آپ صرف عمر ارم کے بابا ہیں' اسکول ہو یا زندگی ہر جگہ میں اکیلا چلا ہوں یا صرف ظفر بھائی کی محبت تھی جس نے مجھے تھامے رکھا ورنہ کتنی بار زندگی کی تلخی کو ایک ہی گھونٹ میں پی جانے کو دل کرتا تھا آپ کو پتا ہے میری دراز میں سلیپنگ پلز' ریوالور اور زہر ہر وقت موجود رہتا تھا۔ مگر میں زندگی پر اور زندگی بنانے والے کی محبت پر اندھا یقین رکھتا تھا۔ اس لیے آج تک حرام موت مرنے کی کوشش نہیں کی مجھے لگتا تھا کبھی تو زندگی میری کتاب میں محبت کا باب رقم کرے گی کبھی تو میں بھی آپ کو یاد آؤں گا مگر اتنے برسوں بعد مجھ پر کھلا ہے محبت مرے لیے نہیں بنائی گئی۔"

شہباز صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا "بدگمانی مت کرو' تم جانتے ہو تمہارا دل بھی جانتا ہے مجھے تم سے کتنی محبت ہے مونس۔"

مونس نے چونک کر شہباز کی صاحب طرف دیکھا تھا یہ ہی جملہ اس نے مام سے کہا تھا۔ اس کے بابا اس کی طرح سوچا کرتے تھے۔

"ہم جو سوچتے ہیں ایک دوسرے کے لیے' وہ ہم کہتے کیوں نہیں بابا۔ ہم انتظار کرتے کرتے خود بھی تشنہ کام رہتے ہیں کسی اور کو بھی تشنہ کام مار دیتے ہیں۔"

بابا نے کچھ نہیں کہا تھا اور اسے خود سے لپٹا لیا تھا اور زینب شہباز یکدم اٹھ کر کہیں اندر گم ہو گئی تھیں۔

"ماما آخری بار بھی مجھے پیار نہیں کریں گی بابا؟"

"آخری بار کیوں' بہت بار کریں گی ہم نے کچھ برا نہیں سوچنا ہے مونس۔"

بابا اسے لے گئے تھے اور وہ فون پر شازیہ آپا سے معافیاں مانگ رہی تھیں۔

"اماں! مجھے بددعا نہیں دے سکتیں۔ کہہ دیں نا شازیہ آپا! وہ میرا مونس آج اس کا آپریشن ہے۔ برین ٹیومر ہے اسے اور میں چاہ کر بھی اسے اپنے سینے سے لگا کر اس کو اپنی ممتا کا حوصلہ نہیں دے سکی اماں تو بہت محبت کرنے والی روح تھیں نا پھر مجھے کیوں بددعا دی۔"

شازیہ آپا اطلاع پا کر ہراساں ہو گئی تھیں۔

"کوئی ماں دوسری ماں کو بددعا نہیں دے سکتی تم گھبراؤ مت۔ یہاں ہیں نا اتنے سارے لوگ اس کے لیے دعا کرنے والے تم بھول جاؤ پرانی باتیں' نئی طرح سے جینا شروع کرو' جاؤ اسے گلے لگا کر کہو۔ تم اس سے کتنا محبت کرتی ہو' وہ تمہیں چھوڑ کر نہیں جا سکے گا۔ تمہاری محبت کی کشش اسے جانے ہی نہیں دے

گی۔ زینب دیر مت کرو۔ فوراً جاؤ اس کے پاس۔"

انہوں نے فون رکھا تھا اور چپکے سے سیڑھیاں اترنے لگی تھیں۔

کار شہباز صاحب ڈرائیو کر رہے تھے ان کا رخ ہسپتال کی طرف تھا اور وہ تھا ہر چیز کو پہلی بار کی طرح دیکھ کر آخری بار کی طرح وداع کر رہا تھا "ہم زندگی میں جب تک جیتے ہیں ہمیں لگتا ہے ہم جیتے رہیں گے' سو ہمیں ہر چیز بے معنی لگتی ہے لیکن ہمیں پتا چل جائے زندگی ہمارے ہاتھوں سے پھسل رہی ہے' ریت کے ذروں کی طرح' چھن رہی ہے آخری کمائی کی طرح تو ہمیں زندگی کی ہر بات میں ایک نئی بات لگتی ہے۔ موسم' ہوا' زندگی ہر چیز خود سے باتیں کرتی محسوس ہوتی ہے نا بابا۔"

"ایسے مت بولو تمہیں زندگی کا یہ معرکہ سامیہ کے لیے سر کرنا ہے مونس! کل میں آفس میں نہیں تھا زینب کی اکلوتی واحد دوست فضہ کے پاس گیا تھا جس کی باتوں پر وہ آنکھ بند کر کے یقین کرتی ہے۔ مانتی ہے اس کی بات۔ بیٹا میں بس یہی ایک ہے جس کے پاس تمہاری ماما کو سرنڈر کروانے کا ہنر موجود ہے' تمہاری ماما تمہاری شادی کا تذکرہ بہت بار کر چکی تھیں۔ سو میں اسے یہی سمجھانے گیا تھا کہ وہ کس طرح زینب کو اس معاملے میں سامیہ کے نام پر ٹریپ کر سکتی ہے۔"

"کس طرح ٹریپ کر سکتی ہیں ماما کو وہ۔" اس نے یونہی پوچھا۔

اور بابا مسکرائے۔

"یہ بہت خفیہ ہے' یہ نہیں بتایا جا سکتا تم بس آم کھاؤ پیڑ مت گنو' سامیہ سے شادی کرو اور اپنی زندگی مزے سے گزارو۔"

"شادی اور زندگی۔" وہ حسرت زدہ ہوا اور بابا نے اسے غور سے دیکھا مگر مونس عام سی بات کی طرح ایک بہت خاص بات سن کر خوش نہ ہو سکا وہ سامیہ کو کوئی عہد کوئی خوش گمانی نہیں دینا چاہتا تھا۔

اس لڑکی کے کتنے برس اس گھر میں گزرے تھے ایک ملازمہ کی طرح اس لڑکی کے پاس کوئی خواب زندہ نہیں تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا وہ اس کی ہتھیلی پر کوئی امید کا جگنو رکھتا۔

"عمر اور ارم سے ملنا تھا مجھے مگر میں انہیں نہیں مل پایا۔"

"میں نے کہہ دیا ہے وہ ہسپتال ہی آجائیں گے۔" بابا نے کہا اور اس کی آنکھوں کا خالی پن دیکھ کر کرلائے۔

"سچ پوچھو تو ان دونوں بچوں کا کوئی قصور نہیں ہے۔ میری بے توجہی اور تمہاری مام کی ہر وقت تم سے انسلٹنگ رویے نے انہیں بھی تمہارے قریب نہیں آنے دیا۔ محبت تو وہ بھی کرتے ہیں مگر وہ جذباتی طور پر تم سے اتنا اٹیچ نہیں اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو' میں جب پاکستان گیا تھا مجھے لگتا تھا میں سب کچھ ٹھیک لوں گا لیکن واپس آیا تو زندگی نے ویسے ہی ہاتھ باندھے رکھے۔ تمہیں جب بھی دیکھا تھا مجھے ظفر یاد آجاتا تھا اور میں تمہارے قریب آتے آتے رہ جاتا تھا' تب بہت عرصے بعد میں نے سوچا میں نہ سہی سامیہ اگر تمہاری زندگی میں آجائے تو تمہاری زندگی کی ہر کمی دور ہو سکتی ہے۔"

"کیا کسی ایک رشتے میں اتنی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ ہر رشتے کا نعم البدل بن سکے؟" ایک نیا سوال بابا نے ہار کر سر جھکا لیا تھا۔

"میں اور زینب لوزر ہیں۔ ہم نہ اچھے میاں بیوی بن سکے نہ اچھے بیٹا بہو کے کردار نبھا سکے نہ اچھے ماں باپ بن سکے' ہاں دنیا کے لیے محبت گنوا کر بیسٹ کپل کا تمغہ ضرور حاصل کر چکے ہیں مگر محبت گنوا کر کچھ اور رہ جاتا ہے زندگی میں کہ ہم جی سکیں۔"

وہ پتا نہیں سوال کر رہے تھے یا جواب دے رہے تھے مگر یہ تھا کہ اس کے ہسپتال میں ایڈمٹ ہونے کے پندرہ بیس منٹ بعد ہی ارم اور عمر اس کے قریب بیٹھے تھے' ہونق پریشان عمر آپریشن کی تفصیلات لے کر آیا تھا اور ہی جان سے وہاں گیا تھا۔

"میں آپ کے قریب نہیں تھا مگر یہ سچ نہیں ہے کہ مجھے آپ سے محبت نہیں ہے بس حالات زندگی